ماثبت من السنۃ (عربی)

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

ماثبت من السنة (عربی)

ایامِ اسلام

(اردو ترجمہ)

پورے سال کے مسنون اعمال و اشغال کا بیان
نیز ناجائز اور ممنوع رسموں کا رد

— تصنیف —

امام اہل سنت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

— ترجمہ —

مولانا علامہ مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸ - اردو بازار لاہور

نام کتاب ۞ اَیامِ اِسلام (۱۲ ماہ اِسلامی فضائل)

تصنیف ۞ امامِ اہلِ سُنت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ ۞ مولانا علامہ مُفتی غلام معینُ الدین نعیمی قدس سرہٗ

تصحیح و نظر ثانی ۞ مولینا حافظ محمد ابراہیم فیضی

مطبع ۞ ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

الطبع الاوّل ۞ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ / مارچ ۲۰۰۲ء

ہدیہ ۞ -/66 روپے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر Email:info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

ایامِ اسلام

تفصیلی فہرست اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے

خطبہ مصنف

تمام خوبیاں اس اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہیں جس نے متبرک وقتوں کو حسنات و برکات کا مقام گردانا اور سالکانِ راہِ شریعت و طریقت کے لئے وجہِ فخر و مباہات کیا کہ ان اوقات متبرکہ میں (عمل کر کے) اپنی تجارتوں میں فائدہ اٹھائیں، اجر و ثواب دونا اور اپنی مرادیں حاصل کریں اور باامید ہو کر قبولیت دعا اور ثواب اعمال کی خواہش رکھیں وہ شخص کتنا بدنصیب ہے جو تجارت کے موقع کو پا کر استفادہ نہ کرے اور جان بوجھ کر نقصان و خسارہ کو پسند کرے۔

درود و سلام علیٰ وجہ الکمال اس دربار گہربار میں پیش ہو جو تمام رسولوں کے سردار، متقیوں کے امام ہیں۔ نام نامی اسم گرامی محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و سلم) ہے۔ آپ ہی کی تعلیم و ہدایت اور پیروی و اتباع سے علم و عمل حاصل ہوتے ہیں اور دونوں جہان میں آپ ہی کے کرم و شفاعت کے ساتھ امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہیں۔ آپ ہی سارے جہان کے استاد، موجودات کے امام، علم کے منبع اور جود و سخا کے معدن ہیں۔ آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر، آپ کے ان تمام فرمانبرداروں پر جو صراطِ مستقیم کے رہبر اور علومِ دینیہ کے زندہ کرنے والے ہیں، رحمت و کرمِ الٰہی نازل ہو۔

امابعد اللہ تعالیٰ کا بندہ فقیر عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری اللہ تعالیٰ اس کو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں راہِ حق و یقین پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، کہتا ہے کہ دن رات میں اوراد و وظائف، نماز و روزے کتنے مروی ہیں، ان میں محدثین و سالکانِ راہِ طریقت میں اختلاف ثابت ہے۔ محدثین نے سالکانِ راہِ طریقت کے مرویات و معمولات پر کلام کر کے شدت سے انکار کیا ہے، اور جو احادیث و اخبار وہ لائے ہیں ان کے باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس بات میں ہم نے اپنے فارسی رسالہ میں فریقین (یعنی محدثین اور متوسلین) کے اقوال کے ملانے کی کوشش کی ہے اور دونوں راستوں میں سے محفوظ و مامون راستہ اختیار کیا ہے اور اس میں اجمال و تفصیل کے ساتھ ہم نے بیان کیا ہے، کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تو حق ہی فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ اس کے بعد ہم نے اس رسالہ کی ترتیب دی اس نہج پر جس طرح محدثین احادیث کی روایت میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع لاتے ہیں کیونکہ احادیث کی تنقیح انہی کا کام ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے فوائد شریفہ اور لطیف تحقیقات کا اضافہ جس کا کلام مقتضی تھا، شامل کئے ہیں۔ بالخصوص ماہ ربیع الاول میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر، اب ماہ محرم سے ماہ ذی الحجہ تک بیان کو شروع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں تمام کرنے اور مکمل کرنے کی توفیق ہے۔

میں نے اس رسالہ کا نام "مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِیْ اَیَّامِ السَّنَةِ" رکھا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس کو نہ کبھی اونگھ آئے اور نہ نیند گھیرے اپنے فضل سے قبول فرمائے۔ آمین!

اس ترجمہ کا نام مَا اَنْعَمَ عَلَی الْاُمَّةِ مترجم غفرلہ نے تجویز کیا۔

ماہِ محرّم الحرام

جامع الاصول کی وہ حدیثیں جو ماہِ محرم کے حالات و فضائل اور اس میں روزہ رکھنے کی فضیلت میں بھی مروی ہیں

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فرضیت روزۂ رمضان سے قبل عاشورہ کے دن روزہ رکھا جاتا تھا جب روزۂ رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ (الحدیث)

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فرضیت رمضان سے قبل عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور یہی وہ دن ہے جس دن خانہ کعبہ کا غلاف چڑھتا تھا۔ فرماتی ہیں جب رمضان فرض ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے کہ روزہ رکھے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور جو چاہے کہ نہ رکھے تو وہ چھوڑ سکتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں، عاشورہ کے دن زمانۂ جاہلیت میں قریش بھی

روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو آپ نے اس کے روزہ کا حکم دیا پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ ترک فرمادیا۔ اب جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے فرمایا جو چاہے رکھے، جو چاہے ترک کردے۔

ایک روایت میں ہے کہ قریش جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزہ رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے، جو چھوڑنا چاہے وہ افطار کر سکتا ہے۔ اس کی تخریج بخاری و مسلم نے کی ہے اور امام مالک و ابوداؤد اور ترمذی نے چوتھی روایت نقل کی ہے۔ یہ حضرات اس روایت میں فلما فرض رمضان کے بعد فکان لوکان ھوالفریضہ کہتے ہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور فرضِ رمضان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود روزہ رکھا اور سب مسلمانوں نے بھی۔ پھر جب رمضان فرض ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عاشورہ کا دن اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ہے لہٰذا جو چاہے روزہ رکھے۔

ایک اور روایت میں نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوم عاشورہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں زمانۂ جاہلیت میں روزہ رکھا جاتا تھا۔ اب جو روزہ رکھنا چاہے رکھے اور جو ترک کرنا چاہے چھوڑ دے۔ اس کی تخریج بخاری و مسلم نے کی۔ اور بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا پھر جب رمضان فرض ہوئے تو آپ نے ترک کر دیا۔ اور عبداللہ (راوی حدیث) روزہ نہیں رکھتے تھے سوائے اس کے کہ اس کا اتفاق پڑ جائے۔ (مطلب یہ کہ روزہ رکھنے والے دنوں کے درمیان میں یہ دن آجائے چونکہ آپ اکثر روزہ رکھا کرتے تھے۔ مترجم)

اور مسلم نے دوسری روایت کی مثل بیان کی اور کہا کہ جو تم میں روزہ رکھنا پسند کرے وہ رکھے اور جو ناپسند جانے چھوڑ دے۔ اور ابوداؤد نے پہلی روایت کی طرح بیان کیا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عاشورہ کے دن کی یہود بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس دن کو وہ عید گردانتے تھے۔ تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی روزہ رکھو۔

ایک روایت میں ہے کہ خیبر والے (جو یہودی تھے) عاشورہ کے دن روزہ رکھتے، عید مناتے اور اپنی عورتوں کو اس دن کپڑے، زیور پہناتے تھے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی روزہ رکھو۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں، آپ نے ان سے دریافت فرمایا، یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ اچھا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی، انہوں نے روزہ رکھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا، تم سے زیادہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مستحق ہیں۔ پس آپ نے روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا یہ کون سا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ بڑا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا، اب ہم اس کی عظمت میں روزہ رکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی اور ابوداؤد نے دوسری روایت تخریج کی۔

حضرت جابر بن سَمُرہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومِ عاشورہ کے روزہ کا حکم فرماتے اور اس کی ہم کو رغبت دلاتے اور عہد کراتے تھے پھر جب رمضان فرض ہوا تب ہمیں نہ اس کا حکم دیتے اور نہ منع فرماتے اور نہ عہد

کراتے۔ مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ اشعث بن قیس، حضرت عبداللہ کے پاس آئے اور وہ عاشورہ کے دن کھانا کھا رہے تھے۔ پس کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! یہ تو عاشورہ کا دن ہے؟ انہوں نے کہا کہ فرضیتِ رمضان سے پہلے روزہ رکھا جاتا تھا پھر جب رمضان فرض ہوا تو چھوڑ دیا گیا۔ لہٰذا اگر تم نے روزہ نہیں رکھا ہے تو کھاؤ۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک "اسلمی" مرد کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو باخبر کردے جس نے سحری کھائی ہے وہ باقی دن کا روزہ رکھے اور جس نے نہیں کھائی ہے وہ بھی روزہ رکھے کیونکہ یہ دن یوم عاشورہ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک اسلمی مرد سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کو خبردار کردو یا فرمایا کہ لوگوں کو خبردار کرو، شکِ راوی ہے۔ اس کی تخریج بخاری و مسلم اور نسائی نے کی ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن سلمہ سے اسی کی مثل ابوداؤد نے تخریج کی۔

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہما سے مروی، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عاشورہ کی صبح کو اطرافِ مدینہ کے انصاریوں کے گاؤں کی طرف کہلا بھیجا کہ جو شخص روزہ دار ہو کر صبح کرے اس کو روزہ پورا کرنا چاہئے اور جو بے روزہ دار ہو وہ بقیہ دن کو روزہ دار کی طرح گزارے۔ پس اس کے بعد ہم خود بھی روزہ رکھتے اور اپنے چھوٹے بچوں کو روزہ رکھاتے اور ہم مسجد چلے جاتے اور ان بچوں کے لئے ہم اون کے کھلونے بنا دیتے جو بچہ کھانے کے لیے روتا ہم یہ کھلونا اسے دے دیتے۔ یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی اور ایک دوسری روایت بھی اسی کی مثل ہے۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہتے ہیں کہ ہم عاشورہ کا روزہ رکھتے اور فطرہ کا صدقہ ادا کرتے تھے پھر جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی اور زکوٰۃ کا حکم اترا تو ہمیں اس کا نہ تو حکم دیا گیا اور نہ منع کیا گیا۔ اسی طرح ہم کرتے رہے۔ نسائی نے اس کی تخریج کی۔

محمد بن صیفی سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن دریافت فرمایا، کیا تم میں سے کسی نے آج کھایا ہے؟ عرض کیا ہم میں سے کچھ تو روزہ دار ہیں اور کچھ بے روزہ دار۔ فرمایا تم سب باقی دن کو پورا کرو اور گردو نواح کے لوگوں کو اطلاع کردو کہ وہ اپنا بقیہ دن یونہی پورا کریں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کو روایت پہنچی کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حارث بن ہشام کو اطلاع کرائی کہ کل یوم عاشورہ ہے، تم روزہ رکھنا اور اپنی اہل کو حکم دینا کہ وہ بھی روزہ رکھیں۔ موطا میں اس کی تخریج ہے۔

حضرت عبیداللہ بن ابی یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا کہ ان سے عاشورہ کے روزہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے دن کا روزہ رکھا ہو، اور اس دن کے سوا دوسرے دنوں پر اس کی فضیلت طلب کرتے ہوں۔ (ایسے ہی) کوئی مہینہ اس مہینہ یعنی رمضان سے افضل۔

اور عبداللہ بن موسیٰ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے دن کے روزہ کی جستجو فرماتے ہوں جس کو دوسرے دن پر فضیلت ہو سوائے اس دن یومِ عاشورہ اور یہ مہینہ یعنی رمضان کے۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

ابی قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یوم عاشورہ کے روزے رکھنے پر میں گمان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ سال بھر کے سیئات کا کفارہ بنا دے، اس کی تخریج ترمذی نے کی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسویں محرم یعنی یومِ عاشورہ کے روزہ کا حکم فرمایا۔ ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اگلے سال میں حیات (ظاہری میں) رہا تو ضرور نویں اور عاشورہ کا روزہ رکھوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ تو وہ دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سال نویں کا بھی روزہ رکھوں گا۔ پس آئندہ سال ایسا آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے۔

حکم بن اعرج کی روایت میں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ زمزم شریف سے اپنی چادر لپیٹے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے کہا کہ عاشورہ کے روزہ کے بارے میں فرمایئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب تم محرم کا چاند دیکھو تو کھاؤ اور نویں کا روزہ رکھو۔ کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا، ہاں! اس کو مسلم نے بیان کیا اور ابوداؤد نے دوسری اور تیسری کو۔

ایک روایت میں رزین نے حضرت عطاء سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ نویں اور دسویں کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں، چار عمل ایسے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں چھوڑا۔ عاشورہ، عشرۂ ذوالحجہ اور ہر ماہ کے تین روزے اور فجر سے پہلے دو رکعتیں (تہجد یا سنت فجر) نسائی نے اس کو بیان کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ماہِ رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا روزہ اللہ کا مہینہ محرم (عاشورہ) ہے اور فرائض پنجگانہ کے بعد سب سے زیادہ شرف والی نماز صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد) ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ راوی نے کہا کہ پوچھا گیا کہ کونسی نماز فرائضِ مکتوبہ

کے بعد افضل ہے؟ حضور نے فرمایا، صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد) اور کون سا روزہ رمضان کے بعد افضل ہے؟ فرمایا اللہ کا مہینہ محرم (عاشورہ) اس کی مسلم و ابوداؤد نے تخریج کی اور ترمذی و نسائی نے پہلی کی تخریج کی۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ کون سا مہینہ رمضان کے بعد ہے جس میں آپ مجھے حکم دیں کہ میں روزہ رکھوں؟ آپ نے فرمایا میں نے نہیں سنا کہ کسی نے اس بارے میں دریافت کیا ہو، بجز اس کے کہ میں نے سنا کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا درآنحالیکہ میں حضور کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) رمضان مبارک کے بعد آپ کس مہینہ کا حکم فرماتے ہیں کہ میں روزہ رکھوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اگر تم رمضان مبارک کے بعد روزہ دار رہنا چاہتے ہو تو محرم کا روزہ رکھو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں ایک قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور دوسری قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

یہ وہ حدیثیں ہیں جو صحاح ستہ کی ہیں اور "جامع الاصول" میں مذکور ہیں۔ اس کے بعد ان حدیثوں کو بیان کرتے ہیں جو "جامع کبیر" میں ہیں جس کو سیدنا و مولانا الشیخ عارف باللہ علی متقی رحمہ اللہ نے تالیف فرمایا اور اس کو علامہ سیوطی نے ترتیب و تبویب کر کے "جمع الجوامع" میں لکھا۔ اگرچہ اس میں احادیث مذکورہ بھی دوسری سندوں کے ساتھ مروی ہیں یہاں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں کیونکہ وہ صحاح کی سندوں کے ساتھ بیان ہو چکیں۔ البتہ اگر دوسرے لفظوں کے ساتھ ذکر ہوتیں جو "جامع الاصول" میں نہیں ہیں تو وہ بیان کر دی جاتیں۔ ان کے علاوہ جو حدیثیں ہیں ان کو ہم بیان کرتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ماہِ رمضان کے بعد روزہ رکھنا چاہتے ہو تو محرم کا روزہ رکھو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں

ایک قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور دوسری قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رغبت دلائی کہ عاشورہ کے دن توبۃ النصوح کی تجدید کریں اور قبولِ توبہ کے خواستگار ہوں۔ پس جس نے اس دن اللہ عزوجل سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ویسے ہی قبول فرمائے گا جیسے ان سے پہلوں کی توبہ قبول کی ہے اور اس دن دوسروں کی بھی توبہ قبول فرمائے گا۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یومِ عاشورہ کا روزہ رکھو، اور اس میں یہود کی مخالفت کرتے ہوئے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو۔ امام احمد نے اس کی روایت فرمائی۔

اور انہی سے مروی ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں حیات (ظاہری میں) رہا تو عاشورہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کے روزے رکھنے کا بھی حکم دوں گا۔ بیہقی نے "شعب الایمان" میں اس کی روایت کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو کیونکہ اس دن انبیاء روزہ رکھتے تھے تو تم بھی روزہ رکھو۔ اس کو ابنِ ابی شیبہ نے بیان کیا۔

اور انہی سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یومِ عاشورہ تم سے پہلوں کی عید ہے تم بھی روزہ رکھو۔ اس کو بزار اور دیلمی نے روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، کہا کہ جس نے محرم الحرام کے تین دن کے روزے رکھے جمعرات، جمعہ اور ہفتہ اس کے لئے دو سال کی عبادت لکھی جائے گی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں کا بھی روزہ رکھیں گے اور انہی سے منقول ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں حیات رہا تو یہود کی

مخالفت کروں گا اور نویں کا بھی روزہ رکھوں گا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یوم الزینت کا روزہ رکھا اس نے سال بھر کے فوت شدہ روزے پا لئے یعنی یوم عاشورہ کا روزہ۔

اور ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام عاشورہ کے دن اپنی کشتی سے جودی پہاڑ پر اترے اور روزہ رکھا اور ساتھیوں کو شکر الٰہی میں روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اسی عاشورہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کے شہر والوں پر سے عذاب ٹلا۔ اور اسی دن بنی اسرائیل کے لئے دریا پھاڑا گیا اور اسی دن حضرت ابراہیم اور ابنِ مریم حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاشورہ کے دن جس نے اپنے گھر والوں پر رزق کی کشادگی کی، سال بھر تک برابر کشادگی رہے گی۔

حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم سید الناس ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید العرب ہیں اور حضرت صہیب سید الروم اور حضرت سلمان فارس کے سردار ہیں اور حضرت بلال سردارِ حبش ہیں اور پہاڑوں کا سردار طورِ سینا ہے اور درختوں کا سردار سدرہ (بیری کا درخت) ہے اور مہینوں کا سردار محرم، اور دنوں کا سردار جمعہ، اور کلام کا سردار قرآن کریم، اور قرآن کریم میں سردار سورۃ بقرہ، اور سورۃ بقرہ میں سردار آیت الکرسی ہے۔ خبردار آیۃ الکرسی میں پانچ کلمے ہیں اور ہر کلمہ میں پچاس برکتیں ہیں۔ دیلمی نے اپنی مسند الفردوس میں بیان کیا اور یہ ضعیف ہے۔

(حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں) اس بارے میں دوسری حدیثوں میں وارد ہے کہ سب سے افضل مہینہ ماہِ رمضان ہے۔ اور وہ روایت جس کو طبرانی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا ہے کیا میں تم کو اس امر سے باخبر نہ کروں کہ ملائکہ میں افضل حضرت جبریل، اور دنوں میں افضل یوم جمعہ، اور مہینوں میں افضل ماہِ رمضان اور راتوں میں افضل لیلتہ القدر اور عورتوں میں افضل مریم بنتِ عمران ہیں۔

خدایا مگر یہ کہ افضلیت اور سیادت میں بہت فرق ہے خوب غور کرو اور اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت کرتا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین بن حجر الہیتمی مصری مفتی مکہ مکرمہ اور اپنے زمانہ کے شیخ الفقہاء و المحدثین (مصنف کتاب صواعق محرقہ) اپنی کتاب "صواعق محرقہ" میں اس مقام پر فرماتے ہیں کہ:

خبردار! حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یوم عاشورہ کو جو مصائب درپیش آئے در حقیقت یہ شہادت ہے، جس سے علوِ مرتبت، رفعتِ منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتی ہے اور یہ کہ اہلِ بیتِ اطہار کو درجوں بلند کرنا مقصود تھا لہٰذا جو بھی اس دن کے مصائب و آلام کا تذکرہ کرے اس کو مناسب ہے کہ حکمِ الٰہی کو بجالانے کے لئے استرجاع یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کے پڑھنے میں مشغول ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو اس پر ثواب مرتب فرمایا ہے اس کا سزاوار بنے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ الآیہ۔ (یہی تو وہ حضرات ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے رحمت و کرم ہوتا ہے) اس دن کی اور جانب التفات نہ کرے سوائے اس کے یا اس کی مثل بڑی بڑی نیکیاں وغیرہ جیسے روزہ۔ خبردار، خبردار! روافض کی بدعات میں مشغول نہ ہونا۔ مثلاً گریہ و زاری، ماتم و نوحہ وغیرہ کیونکہ مسلمانوں کے اخلاق سے بہت بعید ہے۔ ورنہ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا دن اس سے زیادہ غم کا سزاوار ہوتا۔ (مگر وہاں بھی ماتم و نوحہ حرام ہے) (اسی طرح) متعصب خارجیوں کی بدعات سے بچو جو اہلِ بیت کی قدح کرتے ہیں۔ (اسی طرح) جاہلوں کی بدعات سے بچو جو فاسد کو فاسد سے، بدعت کو بدعت سے، برائی کو برائی سے تقابل کرتے ہیں کہ وہ لوگ (اس یومِ عاشورہ کو) انتہائی فرحت و سرور کا اظہار کرتے، عید مناتے، زینت کی نمائش کرتے، جیسے خضاب، سرمہ اور نئی پوشش اور فضول خرچی،

خلاف عادت (رنگ برنگے) کھانے پکانے وغیرہ ہیں' اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ سنت سے ہیں اور امور عادیہ میں سے ہیں حالانکہ ان تمام باتوں کا چھوڑنا سنت ہے اس لئے اس بارے میں نہ کوئی قابل اعتماد روایت ہے نہ اثر جس کی جانب رجوع کیا جائے۔

در حقیقت بعض ائمہ حدیث اور فقہاء کرام سے عاشورہ کے دن سرمہ لگانے، غسل کرنے، مہندی لگانے، کھچڑا پکانے، نئے لباس پہننے اور خوشی و انبساط کے اظہار کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا اس بارے میں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ہے اور نہ کسی صحابی سے اور نہ ائمۂ مسلمین سے کسی نے نہ ائمۂ اربعہ اہلِ سنت اور نہ ان کے علاوہ اور کسی نے مستحب بتایا۔ اور نہ کسی قابل اعتماد کتب حدیث میں کوئی روایت ہے نہ صحیح نہ ضعیف۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر عاشورہ کے دن سرمہ لگایا تو اس سال میں آنکھیں نہ دکھیں گی اور یہ کہ جس نے غسل کیا وہ سال بھر بیمار نہ ہوگا اور یہ جس نے اپنے عیال میں رزق کی وسعت کی اللہ تعالیٰ سال بھر رزق میں کشادگی فرمائے گا' اور اس قسم کی باتیں اور یہ کہ اس دن نماز افضل ہے اور یہ کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ جودی پہاڑ پر کشتی قائم ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات ملی۔ حضرت اسمٰعیل کے ذبح کے وقت دنبہ کا فدیہ آیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام واپس آئے۔ یہ سب موضوع ہیں سوائے حدیث عیال پر وسعت رزق کے، لیکن اس کی سند میں کلام ہے لہٰذا خارجیوں' ناصبیوں نے اپنی جہالت کے سبب اس دن کو موسم سرور بنالیا اور رافضیوں نے ماتم کا دن۔ حالانکہ یہ دونوں خطاکار اور مخالف سنت ہیں۔ ان سب کو چند حفاظِ حدیث نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

بلاشبہ حاکم نے تصریح کی ہے کہ اس دن سرمہ لگانا بدعت ہے۔ دوسری روایت میں جو یہ ہے کہ اس دن جس نے سرمہ لگایا کبھی اس کی آنکھ کو آشوب نہ ہوگا اس کے لئے بھی کہا کہ منکر ہے۔ ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں حاکم کی سند سے اسی مقام پر بیان کیا ہے۔ اور بعض حافظوں نے دوسری سندوں سے بھی نقل کیا ہے۔ مجدالدین بغوی (صاحبِ قاموس) حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ روزہ کے سوا تمام وہ حدیثیں جو

عاشورہ کی فضیلت اور نماز، انفاق، خضاب، تیل و سرمہ غلہ پکانے وغیرہ کی فضیلت میں منقول ہیں، سب موضوع اور بہتان ہیں۔ اسی طرح ابنِ قیم نے تصریح کرتے ہوئے کہا کہ سرمہ لگانے، تیل ملنے اور خوشبو لگانے کی حدیث عاشورہ کے دن کے لئے جھوٹوں کی من گھڑت ہے۔ یہ کلام اس شخص کے لئے ہے جو عاشورہ کے دن کے لئے سرمہ لگانا خاص کرے اور وہ جو گزرا کہ اس دن رزق میں فراخی و کشادگی کرے اس کی اصل ہے۔ جیسا کہ حافظ الاسلام زین عراقی نے "امالیہ" میں بیہقی کی سند سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عاشورہ کے دن اپنے اہل و عیال میں رزق کی فراخی و کشادگی کی اللہ تعالیٰ سال بھر رزق میں وسعت فرمائے گا۔ پھر اس کے بعد کہا کہ یہ حدیث اپنی سند میں لین ہے لیکن ابن حبان کی رائے پر حَسَنْ ہے۔ ان کی دوسری سند ہے جسے حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر نے صحیح کہا ہے۔ اس میں زیادات منکرہ ہیں، اور بیہقی کا ظاہر کلام یہ ہے کہ حدیث توسع ابنِ حبان کی رائے کے علاوہ بھی حَسَنْ ہے۔ کیونکہ انہوں نے مختلف سندوں کے ساتھ جماعت صحابہ سے مرفوعاً روایت کی ہے پھر کہا کہ یہ سند میں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن جب ان کو باہم ملایا جائے تو ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

اور ابنِ تیمیہ کا انکار کہ توسع کی کوئی روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے، یہ وہم ہے جیسا کہ تم ابھی جان چکے ہو۔ حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ یعنی صحیح لذاتہ نہ ہونے سے ان کی نفی نہیں ہوتی کہ وہ حسن لغیرہ بھی نہیں ہے۔ حالانکہ حسن لغیرہ بھی علمِ حدیث میں قابلِ حجت ہوتی ہے جیسا کہ واضح ہے۔ انتھی۔

اور حضرت شیخ محمد سخاوی کی کتاب "مقاصد حسنہ" میں یہ حدیث ہے کہ جس نے عاشورہ کے دن اثمد کا سرمہ لگایا تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے "شعب الایمان" کی تیئس (۲۳) ویں شعب میں روایت کیا اور دیلمی نے حضرت جبیر کی حدیث کو ضحاک سے انہوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی، اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ منکر ہی نہیں بلکہ موضوع ہے اس کو اسی وجہ کے ساتھ ابن

جوزی اپنی موضوعات میں لائے ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس لئے ضعیف ہے اس میں احمد ابنِ منصور شونیزی ہے گویا یہ حدیث "مدخل علیہ" ہے۔ انتھٰی۔

اور یہ حدیث کہ "جس نے عاشورہ کے دن میں اپنے گھر والوں پر رزق کی فراخی و کشادگی کی اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال فراخی و کشادگی فرمائے گا۔" اسے طبرانی اور بیہقی نے "شعب الایمان" اور فضائل اوقات" میں روایت کی ہے، اور ابوالشیخ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے۔ اور صرف پہلی دونوں حدیثیں حضرت ابو سعید سے اور صرف دوسری شعب میں حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور کہا کہ ان سب کی سندیں ضعیف ہیں، لیکن جب سب کو ایک کو دوسرے کے ساتھ باہم ملائیں تو "قوت" کا فائدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بلکہ عراقی نے اپنی کتاب "امالی" میں کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی اسناد میں سے بعض کو ابنِ ناصر حافظ نے صحیح کہا ہے۔ اور ابنِ جوزی موضوعات میں اس حدیث کو سلیمان بن ابی عبیداللہ جو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں، لائے ہیں اور کہا کہ سلیمان مجہول ہے۔ حالانکہ سلیمان کو ابنِ حبان نے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے، اور یہ حدیث ان کی رائے میں حسن ہے اور اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مسلم کی شرط کے موافق ہے مروی، اس کی تخریج عبدالبر نے "استیعاب" میں بروایت ابو زبیر از جابر رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ سب سے زیادہ صحیح ہے اور اس کو انہوں نے اور دار قطنی نے "افراد" میں جید سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف علیہ اور بیہقی نے "شعب" میں محمد بن منتشر کی سند سے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر ہمارے مشائخ نے بکثرت مواخذے کئے ہیں لیکن ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور اعتماد بن جوزی نے "موضوعات" میں عقیلی کے قول کے بعد جو ہیصم ابنِ شداخ راوی حدیث ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ یہ مجہول ہے، تعاقب کیا ہے بلکہ اس کا ذکر ابنِ حبان نے ثقات اور ضعفاء میں کیا ہے۔ انتھٰی۔

شیخ امام، حافظ، علامہ، عالِم مدینہ منورہ اپنے زمانہ میں الشیخ علی بن محمد بن عراقی کی

کتاب "تنزیہ الشریعہ" فی احادیث الموضوعہ میں حدیث ہے کہ "جس نے محرم کے پہلے نو دنوں کے روزے رکھے اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہوا میں ایک قبہ بنائے گا۔ جس کی پیمائش میل دو میل ہوگی اور اس کے چار دروازے ہوں گے"۔ اس کو ابو نعیم نے حضرت انس سے روایت کی ہے چونکہ اس سند میں موسیٰ طویل ہے، وہ ایک آفت تھا (یعنی خوب گھڑا کرتا تھا)

اور یہ حدیث کہ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ساٹھ سال کی عبادت جس میں روزہ نماز ہے لکھے گا، اور جس نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اس کو دس ہزار فرشتوں کا ثواب دیا جائے گا، اور جس نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اسے ایک ہزار حج و عمرہ کا ثواب دیا جائے گا، اور جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اسے دس ہزار شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا، اور جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ساتوں آسمانوں کا ثواب لکھے گا۔

اور جس نے عاشورہ کے دن کسی بھوکے کو کھانا کھلایا اس نے گویا امتِ محمدیہ کے تمام فقراء کو کھانا کھلایا اور ان کو سیر کر دیا، اور جس نے یتیم کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اس کے سر کے ہر ہر بال کے بدلے جنت میں بلند درجہ ملے گا، اللہ تعالیٰ نے عاشورہ کے دن جبریل کو پیدا کیا، اور عاشورہ ہی کے دن فرشتوں کو پیدا کیا، اور عاشورہ کے دن آدم کو پیدا کیا، اور عاشورہ کے دن حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور اسی دن آگ سے ان کو نجات ملی۔ اس دن اسمٰعیل کا فدیہ آیا۔ اور عاشورہ ہی کے دن فرعون غرق ہوا، اور عاشورہ کے دن ادریس کو اٹھایا، اور یوم عاشورہ کو آدم کی توبہ قبول ہوئی، اور یوم عاشورہ کو داؤد کی لغزش معاف ہوئی۔ یومِ عاشورہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش پر استویٰ کیا، اور یوم عاشورہ کو قیامت قائم ہوگی۔" یہ سب موضوع ہیں اسے ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے، چونکہ اس سند میں حبیب ابنِ حبیب ہے جو فتنہ پرداز تھا۔ (اسی طرح) یہ حدیث کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر سال میں ایک دن کا روزہ فرض کیا وہ عاشورہ کا دن ہے، اور وہ محرم کی دسویں ہے۔ لہٰذا روزہ رکھو اس دن اور اپنے اہل پر رزق کی فراخی و کشادگی کرو کیونکہ جس نے اپنے اہل پر اپنے مال میں سے

یوم عاشورہ کو وسعت کی تو اللہ تعالیٰ اس پر تمام سال فراخی کرے گا۔ روزہ رکھو کیونکہ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول کی۔ یہ وہ دن ہے جس دن حضرت ادریس کو بلند مرتبہ پر فائز کیا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو آگ سے نجات دی۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن حضرت نوح کو کشتی سے اتارا۔ اور یہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر توریت اتاری۔ اور یہ کہ حضرت اسمٰعیل کا بوقتِ ذبح فدیہ اتارا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے حضرت یوسف کو جیل خانہ سے نکالا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے حضرت یعقوب کی بصارت واپس فرمائی۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے حضرت ایوب سے بلاؤں کو دور کیا۔ اور یہ وہ دن ہے کہ اللہ نے حضرت یونس کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے دریا پھاڑا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخشے۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا عبور کیا۔ اور یہ وہ دن ہے جس دن حضرت یونس کی قوم پر توبہ اتاری۔ پس جو شخص اس دن کا روزہ رکھے گا چالیس سال کا کفارہ ہوگا۔ اور پہلا دن ہے کہ اللہ نے دنیا میں یوم عاشورہ کو پیدا کیا۔ اور یہ پہلا دن ہے کہ آسمان سے بارش اتاری۔ پس جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا گویا تمام زمانہ کا روزہ رکھا' اور یہ انبیاء اور موسیٰ علیہم السلام کا روزہ ہے۔ اور جس نے شبِ عاشورہ کو شب بیداری کی گویا اس نے ساتوں آسمان والوں کی برابر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اور جس نے چار رکعت نماز پڑھی جس کی ہر رکعت میں الحمد ایک بار اور قل ھو اللہ احد پچاس بار پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ پچاس اور آئندہ کے پچاس سال کے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے ملاء اعلیٰ میں نور کے ایک ہزار منبر بنائے گا۔ اور جس نے ایک گھونٹ پانی پلایا گویا کہ اس نے ایک آن بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ اور جس نے اہلِ بیت کے مسکینوں کا پیٹ عاشورہ کے دن بھرا تو وہ صراط پر چمکتی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ اور جس نے کوئی چیز خیرات کی گویا اس نے کبھی بھی کسی سائل کو نہیں لوٹایا۔

اور جس نے یومِ عاشورہ کو غسل کیا سوائے مرض موت کے کبھی بیمار نہ ہوگا۔ اور

جس نے اس دن سرمہ لگایا سال بھر تک اس کی آنکھیں آشوب نہ کریں گی- اور جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا گویا اس نے تمام اولاد آدم کے یتیموں کے ساتھ بھلائی کی- اور جس نے کسی مریض کی عیادت کی گویا اس نے تمام اولاد آدم کے مریضوں کی عیادت کی- ان سب کو ابنِ جوزی نے "موضوعات" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں- اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعد والوں نے اس کو وضع کر کے ان سندوں کے ساتھ ترتیب دے دی ہے- انتھٰی-

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

سیّد الامام، شہیدِ باسعادت، سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام ابو عبد اللہ الحسین سلام اللہ علیٰ جدہ وعلیہ وعلیٰ آبائہ الکرام کی شہادت کا بیان

امیرالمومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو جبریل نے خبر دی کہ حسین فرات کے کنارے شہید کئے جائیں گے- ابنِ سعد نے اس کی روایت کی-

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا فرزند حسین میرے بعد طف کے میدان میں شہید کیا جائے گا اور یہ مٹی میرے پاس لائے ہیں اور مجھ کو خبر دی ہے کہ یہ ان کے مدفن کی جگہ ہے- ابنِ سعد اور طبرانی نے "کبیر" میں روایت کی ہے-

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے مروی، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میری امت میرے اس فرزند حسین کو شہید کرے گی اور ان کے مدفن کی جگہ کی سرخ رنگ کی مٹی میرے پاس لائی گئی- ابوداؤد اور حاکم نے "مستدرک" میں اس کو روایت کیا-

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا فرزند سرزمینِ فرات میں شہید کیا جائے گا۔ میں نے جبریل سے کہا ان کے مقتل کی مٹی لا کر دکھاؤ، پس وہ وہاں کی مٹی لائے ہیں۔ ابن سعد نے اس کو روایت کیا۔ "میرے اس فرزند" سے مرادِ حسین ہے، جو سرزمینِ عراق میں شہید ہوں گے جس کو کربلا کہا جاتا ہے۔ پس جو کوئی اس وقت موجود ہو ان کی نصرت و مدد کرے۔ بغوی، ابن السکن، ماوردی، ابن مندہ اور ابن عساکر نے حضرت انس ابن حارث بن منبہ سے اس کی روایت کی ہے۔ بغوی کہتے ہیں، میں نہیں جانتا اس کے سوا کسی اور نے روایت کی ہو اور ابن السکن نے کہا کہ انس کی اس کے سوا کوئی اور روایت سوائے اس سند کے نہ تو کوئی مروی ہے اور نہ معلوم ہے۔

جبریل نے مجھے خبر دی کہ میرا فرزند حسین شہید کیا جائے گا اور یہ اس زمین کی مٹی ہے خلیلی نے "ارشاد" میں اس کو نقل کیا اور حضرت عائشہ اور ام سلمہ سے مروی ہے کہ جبریل ہمارے ساتھ گھر میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان کو محبوب رکھتے ہیں؟ حضور نے فرمایا، یقیناً دنیا میں ہاں۔ پھر جبریل نے عرض کیا، آپ کی امت اس سرزمین میں ان کو شہید کر دے گی جس کو "کربلا" کہا جاتا ہے پھر جبریل نے وہاں کی مٹی مجھے لا کر دکھائی طبرانی نے "کبیر" میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل نے مجھے خبر دی کہ میرا یہ فرزند شہید کیا جائے گا اور یہ کہ جو ان کو قتل کریں گے ان پر اللہ کا شدید غضب ہے۔ ابن عساکر سے روایت کی۔

ام سلمہ سے مروی ہے کہ جبریل نے اس جگہ کی مٹی لا کر دکھائی جہاں امام حسین کی شہادت ہوگی۔ پس اللہ کا سخت غضب ہے اس شخص پر جو ان کا خون بہائے۔

اے عائشہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مجھ کو انتہائی ملال ہے کہ میری امت میں کون ایسا ہو گا جو میرے حسین کو قتل کرے گا۔ ابن سعد نے اس کو بیان کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل میرے پاس خبر لے کر آئے

کہ میرے فرزند کو میری امت قتل کر دے گی۔ میں نے کہا کہ وہاں کی مٹی لا کر دکھاؤ تو سرخ رنگ کی مٹی لا کر انہوں نے دکھائی۔ طبرانی نے "کبیر" میں روایت کی۔

حضرت زینب بن جحش سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے بدلے ستر ہزار قتل کرائے اور آپ کے فرزند کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار قتل کراؤں گا۔ حاکم نے اسے "مستدرک" میں بیان کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرے پاس پہلے سے جبریل کھڑے تھے، مجھ سے کہا کہ فرات کے کنارے حسین شہید کئے جائیں گے اور کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو آپ کو وہاں کی مٹی سنگھا دوں۔ میں نے کہا ہاں! تو انہوں نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور ایک مٹھی مٹی لے کر مجھے دی، تب میری آنکھیں قابو میں نہ رہیں اور آنسو بہنے لگے۔ اس حدیث کو احمد، ابو یعلیٰ، ابن سعد اور طبرانی نے "کبیر" میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابی امامہ اور انس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ اور ابن عساکر نے ام سلمہ، ام الفضل بنت الحارث زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے اور ابن سعد نے حضرت عائشہ سے اور ابو یعلیٰ زینب ام المومنین سے روایت کرتے ہیں کہ گویا میں اس چتکبرے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میری اہلِ بیت کے خون میں منہ ڈال کر پی رہا ہے۔ ابن عساکر نے اسے سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اے عائشہ! کس قدر تعجب انگیز خبر ہے کہ ابھی ابھی میرے پاس وہ فرشتہ آیا جو کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا میرا یہ فرزند مقتول ہے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کے مقتل کی مٹی لا کر دکھاؤں۔ پھر فرشتہ نے ہاتھ اٹھایا اور سرخ رنگ کی مٹی لا کر دکھائی۔ طبرانی نے "کبیر" میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یزید! اللہ تعالیٰ اس یزید قاتل ملعون میں برکت نہ کرے؟ سنو! میرے پیارے محبوب فرزند حسین کی خبر شہادت کے ساتھ ان کے مقتل کی مٹی میرے پاس لائی گئی۔ میں نے ان کے قاتل کو دیکھا ہے، سنو! جن لوگوں کے سامنے ان کو شہید کیا جائے گا وہ ان کی مدد نہ کریں گے اس بنا پر اللہ تعالیٰ ان پر عذابِ عام مسلط کرے گا۔ ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما

سے روایت کیا۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہجری سن ساٹھ کی ابتدا میں شہید کئے جائیں گے۔ اس کو طبرانی نے "کبیر" میں اور خطیب و ابنِ عساکر نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا اور اس میں سعد ابنِ طریف راوی ہے جو متروک ہے۔ اور ابنِ حبان فرماتے ہیں کہ یہ شخص حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور ابنِ جوزی اس کو موضوعات میں لائے ہیں۔

حضرت حسین اس وقت شہید کئے جائیں گے جبکہ ان پر سن کہولت آنے والا ہو گا۔ اس کو طبرانی نے "کبیر" میں بیان کیا۔ اس میں بھی سعد بن طریف راوی ہے۔ مجھے حسین کی شہادت کی خبر دی گئی اور وہاں کی مٹی لائی گئی اور یہ کہ ان کے قاتل سے باخبر کیا گیا۔ اس کو دیلمی نے معاذ سے روایت کی۔

اور "جامع الاصول" میں ترمذی کی حدیث سلمی سے مروی ہے جو کہ ایک انصاری عورت تھی اس نے کہا کہ حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رو رہی تھیں میں نے کہا کیوں روتی ہو؟ کہا میں نے ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ کے سر اور داڑھی کے بال گرد آلود تھے اور آپ بھی گریہ کناں تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا میں ابھی ابھی مقتل حسین سے آ رہا ہوں۔" اور اس میں بخاری اور ترمذی کی حدیث بروایتِ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد (گورنر کوفہ) کے پاس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا اور ایک طشت میں رکھا گیا، پس اس نے چھڑی سے چھیڑنا شروع کیا اور ان کے حسن کے بارے میں کچھ کہا۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بہت مشابہ تھے اور آنحالیکہ اس وقت وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ابنِ زیاد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو وہ چھڑی سے ان کی ناک میں چھیڑنے لگا اور کہتا تھا میں نے ایسا صاحب حسن کسی کو نہ دیکھا۔ میں نے کہا، سنو! بے شک یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ پہلی روایت کو بخاری نے اور دوسری کو ترمذی نے تخریج کی۔ اور اس میں عمارہ بن عمر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کا سر کاٹ کر لایا گیا میں نے قصد کیا کہ صحن مسجد کی طرف جاؤں تو میں پہنچ گیا۔ (اچانک) وہ لوگ کہنے لگے کہ وہ آیا' وہ آیا! ناگاہ ایک بڑا سانپ سروں کے درمیان گھسا' یہاں تک کہ عبیداللہ بن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہو گیا کچھ دیر ٹھہرا رہا پھر نکل کر چلا گیا حتیٰ کہ وہ غائب ہو گیا' پھر لوگ کہنے لگے وہ آیا' وہ آیا۔ پس اس سانپ نے اس طرح تین مرتبہ کیا۔ اس کو ترمذی اور علامہ سیوطی نے "تاریخ الخلفاء" میں نقل کیا اور بیہقی نے "دلائل" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوپہر کے وقت دیکھا کہ پراگندہ بال و غبار آلودہ ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک بوتل ہے جس میں خون ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان' یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے' میں اس کو فلاں دن سے جمع کر رہا ہوں۔ جب میں نے شمار کیا تو وہی دن تھا جس دن وہ شہید کیے گئے تھے۔

ابو نعیم نے "دلائل" میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا وہ کہتی ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ جن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر روتے اور نوحہ کرتے تھے' اور ثعلب نے "امالی" میں ابو حباب کلبی سے نقل کیا' وہ کہتے ہیں کہ میں کربلا میں آیا' میں نے دریافت کیا یہاں کے کون لوگ شریف ہیں' میں نے سنا ہے کہ تم لوگ جنوں کے نوحے سنا کرتے ہو؟ اس نے کہا تم یہاں جس سے بھی ملاقات کرو گے وہ تم کو یہی بتائے گا کہ میں نے ایسا سنا ہے۔ تو میں نے کہا بتاؤ تم نے کیا سنا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے جنوں کو یہ شعر کہتے سنا ہے ۔ (ترجمہ)

رسول نے ان کی پیشانی پر دستِ مبارک پھیرا
تو ان کے رخساروں سے روشنی چمکتی ہے
ان کے والدین قریش کے بزرگ تر تھے
اور ان کے نانا سب سے بہتر تھے

ابو یعلیٰ نے سند ضعیف کے ساتھ ابو عبیدہ سے روایت کی۔ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمیشہ میری امت کا معاملہ حق و انصاف پر قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا ایک آدمی بنی امیہ میں سے ہوگا جسے یزید کہیں گے وہ رخنہ ڈالے گا۔

رویانی نے اپنی مسند میں ابوالدرداء سے روایت کی کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، پہلا وہ شخص جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ میں سے ایک آدمی ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

اور نوفل بن ابوالفرات نے کہا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا۔ اس نے کہا: "امیرالمومنین یزید بن معاویہ۔" انہوں نے فرمایا: تُو اس کو "امیرالمومنین" کہتا ہے۔ پھر حکم دیا کہ اس کے بیس کوڑے مارے جائیں۔ انتھی۔

سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح

سیّدنا امام حسن بن علی مرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی مصالحت کے ذکر میں

جاننا چاہئے کہ جب ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ نے حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہم پر چڑھائی کی تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار فرمائی۔ تب سے اس سال کا نام "عام الجماعہ" پڑ گیا کیونکہ اس سال میں ایک خلیفہ پر امت نے اجماع کیا۔ اور اسی سال حضرت امیر معاویہ نے مروان بن حکم کو مدینہ منورہ کا گورنر بنایا۔ اور ۴۳ھ میں "رے" کو فتح کیا اور اس کے علاوہ سجستان کے کچھ شہروں کو اور سوڈان کے نواحی علاقہ کو بھی فتح کیا۔ اور اسی سال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تبدیلی عمل میں آئی اس کو تعلبی وغیرہ

نے بیان کیا ہے۔

۵۰ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شامیوں کو اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت پر بلایا تو سب نے اس کی بیعت کی۔ یہ پہلا عمل ہے جو اپنے بیٹے کی خلافت کے لئے عہد لیا گیا اور یہ کہ اپنی صحت کی حالت میں اپنا ولی عہد بنایا۔ پھر یہ کہ مروان کو مدینہ میں خط بھیجا کہ وہاں اس پر بیعت لے۔ چنانچہ مروان نے خطبہ دیا کہ امیرالمومنین کی منشاء ہے کہ تم پر اپنے بیٹے یزید کو بطریق سنت ابوبکرو عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ بنا دیا جائے، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر فرمایا، نہیں! قیصرو کسریٰ کی سنت پر! کیونکہ حضرت ابوبکرو عمر رضی اللہ عنہما نے نہ تو اپنی اولاد کو خلیفہ نامزد کیا اور نہ کسی گھروالوں کو۔

پھر ۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہ نے حج کیا اور اپنے بیٹے کے واسطے بیعت طلب کی۔ چنانچہ حضرت اِبن عمر رضی اللہ عنہما کو بلایا وہ تشریف لائے، ان سے حضرت معاویہ نے کہا، اے اِبن عمر! تم مجھ سے کہا کرتے تھے کہ یہ بات تم کو پسند نہیں کہ کسی شب تاریک میں سو جاؤ، درآنحالیکہ تمہارے اوپر اس وقت امیر نہ ہو۔ اب میں تم کو بچانا چاہتا ہوں کہ تم مسلمانوں کی لاٹھی کو ٹکڑے کر دو یا ان میں فساد ڈال دو۔ اس پر حضرت اِبن عمر رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ بعد حمد و ثنا کے تم کو معلوم ہے کہ تم سے پہلے بھی خلفاء گزرے ہیں اور ان کے فرزند، اولاد بھی تھی اور تمہارا بیٹا ان کی اولاد سے زیادہ بہتر بھی نہیں ہے لیکن انہوں نے پھر بھی اپنی اولاد کے لئے یہ تجویز نہ کیا جو تم اپنی اولاد کے لئے تجویز کر رہے ہو۔ لیکن ان خلفاء نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ جہاں بہتر سمجھیں اور تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں مسلمانوں کی لاٹھی کو دو ٹکڑے نہ کروں حالانکہ میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں جب تمام مسلمان کسی ایک بات پر مجتمع ہو جائیں گے تو میں بھی ان میں کا ایک فرد ہوں گا۔ حضرت امیر معاویہ نے کہا خدا تم پر رحمت کرے۔ اس کے بعد حضرت اِبن عمر چلے آئے پھر حضرت اِبن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو بلوایا وہ آئے اور ان سے گفتگو شروع کی۔ انہوں نے گفتگو قطع کر کے کہا بے شک تم نے خدا کی قسم! یہ چاہا ہے کہ ہم نے تم کو تمہارے

بیٹے کے معاملہ میں اللہ کی طرف سے وکیل بنادیا ہے؟ خدا کی قسم ایسا نہ کرو! خدا کی قسم ہم اس معاملہ کو مسلمانوں کے سامنے مجلسِ مشاورت میں صاف کریں گے، ہم اسے تمہارے (نفس کا) فریب جانتے ہیں پھر وہ جھپٹ کر چلے گئے۔ اس کے بعد امیر معاویہ نے کہا اے خدا مجھ کو اس کے شر سے جس طرح تو چاہے بچا۔ پھر کہا اے شخص ٹھہر جا۔ شامیوں کے پاس نہ جانا کیونکہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ وہ میرے لئے تم پر سبقت نہ کر جائیں حتیٰ کہ میں سب کو یہ خبر نہ سنادوں کہ تم نے بیعت کرلی ہے اس کے بعد جو دل میں آئے سو کرنا۔

پھر حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما کو بلوایا ان سے کہا اے ابنِ زبیر! تم چالاک لومڑی ہو کہ جب کبھی بھی ایک بل سے نکلتے ہو، تو جھٹ دوسرے بل میں داخل ہو جاتے ہو۔ یقیناً تم ان دونوں شخصوں سے ملے ہو اور ان کے نتھنوں میں پھونک ماری ہے اور ان دونوں کو ان کی رائے کے خلاف بہکادیا ہے۔ حضرت ابنِ زبیر نے جواب دیا اگر تم امارت کے مالک ہو تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور اپنے بیٹے کو پھر لاؤ، پھر ہم اس سے بیعت کرلیں گے۔ تم غور نہیں کرتے جب ہم نے تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کی بھی بیعت کرلی تو ہم کس کس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔ تم دونوں کی بیعت ایک ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔

پھر امیر معاویہ منبر پر چڑھے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پڑھ کے کہا، میں نے لوگوں کو شرمناک باتیں کرتے پایا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمر اور ابنِ ابوبکر اور ابنِ زبیر رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت نہیں کی؟ حالانکہ ان سب نے سنا اور مانا اور اس کی بیعت کی ہے۔ اس پر شامیوں نے کہا ہم اس وقت تک ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ وہ سب کے سامنے آکر بیعت نہ کریں ورنہ ہم ان کی گردن مار دیں گے۔ امیر معاویہ نے کہا، سبحان اللہ! لوگ قریش کے ساتھ کتنی جلدی برائی کرنے پر آمادہ ہیں۔ آج کے دن کے بعد کبھی تم سے میں ایسی باتیں نہ سنوں۔ پھر نیچے اتر آئے اور اس کے بعد لوگ چرچا کرنے لگے کہ حضرت ابنِ عمر، حضرت ابنِ ابوبکر، حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہم نے بیعت کرلی ہے۔ حالانکہ وہ حضرات فرماتے رہے کہ خدا کی قسم

ہم نے بیعت نہیں کی پھر لوگ کہتے ہاں نہیں کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ شام واپس چلے گئے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے لوگوں کے معاملہ میں فساد برپا کیا۔ ایک تو عمرو بن العاص ہیں کہ نیزوں پر قرآن اٹھانے کا امیر معاویہ کو اشارہ کیا، سو اٹھائے گئے۔ اور ابن الغراء نے کہا پھر خارجیوں کو حکم دیا کہ تحکیم قیامت تک باقی رہے گی۔

دوسرے مغیرہ بن شعبہ ہیں کیونکہ یہ کوفہ میں حضرت امیر معاویہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے ان کو خط لکھا کہ جب تم اس کو پڑھو تو فوراً معزول ہو کر چلے آؤ۔ لیکن مغیرہ نے دیر لگائی جس وقت وہ حضرت معاویہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیر کرنے پر بازپرس کی۔ کہا کہ ایک معاملہ پیش آگیا تھا اس کو نبٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دریافت کیا وہ کونسا معاملہ ہے؟ کہا کہ تمہارے بعد یزید کی بیعت! پوچھا کیا تم نے اس کو انجام دے لیا؟ کہا، ہاں! امیر معاویہ نے کہا اپنی جگہ بحال ہو کر چلے جاؤ۔ وہاں سے جب مغیرہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آئے تو پوچھا کیا معاملہ پیش آیا؟ کہا کہ میں نے معاویہ کے پاؤں چمڑے کی رکاب میں ایسے رکھ دیئے ہیں کہ قیامت تک اس میں رہیں گے۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ عمرو بن حزام قاصد بن کر امیر معاویہ کے پاس آیا ان سے کہا، امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے حق میں خدا سے ڈرو، ان پر کس کو خلیفہ مقرر کرتے ہو۔ جواب میں کہا تمہاری نصیحت سنی اور تو نے کہا میری یہ رائے ہے حالانکہ میرے بیٹے اور ان کے بیٹوں کے سوا کوئی باقی نہیں ہے، اور میرا بیٹا زیادہ حق دار ہے۔ اور عطیہ بن قیس نے کہا کہ امیر معاویہ نے خطبہ میں کہا اے خدا! اگر میں نے یزید کو اس کی قابلیت دیکھ کر ولی عہد کیا ہے تو اس پر پہنچا جو میں نے چاہا اور اس کی مدد کر، اور اگر میں نے محبت پدری میں جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے ایسا کیا ہے اور وہ اس کام کا اہل نہیں تو اسے ولی عہد پر پہنچنے سے قبل ہی موت دے دے۔

یزید بدبخت شقی و سرکش ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں پیدا ہوا اور اس کے باپ نے اس کو ولی عہد بنایا درآنحالیکہ لوگ سخت ناپسند کرتے تھے جیسا کہ گزرا۔ جس وقت حضرت

معاویہ کا انتقال ہوا اور یہ واقعہ رجب ۶۰ھ کا ہے تو شامیوں نے اس کی بیعت کرلی۔ پھر اہلِ مدینہ کی طرف قاصد بھیجا کہ وہ اس کی بیعت لیں، تب حضرت امام حسین اور حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا اور راتوں رات مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے لیکن حضرت ابنِ زبیر نے نہ تو اس کی بیعت کی، نہ اپنی طرف کسی کو بلایا۔

لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفیوں نے آپ کی طرف امیر معاویہ کے زمانہ میں ہی خطوط لکھے تھے اور خروج کی طرف بلا رہے تھے مگر آپ انکار کرتے رہے پس جب یزید کی بیعت لی گئی تو یہ اس وقت تردد لاحق ہوگیا کبھی اقامت یعنی ٹھہرے رہنے کا ارادہ فرماتے، کبھی ان کی طرف تشریف لے جانے کا عزم کرتے۔ حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما نے روانگی کا مشورہ دیا اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ایسا عزم نہ کیجئے۔ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے کہا آپ نہ جایئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت دونوں کا اختیار دیا تھا لیکن آپ نے آخرت کو پسند فرمایا چونکہ آپ حضور ہی کے جگر گوشہ ہیں، اس لئے آپ کو بھی دنیا نہ ملے گی۔ اس کے بعد وہ گلے مل کر روئے اور رخصت کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ روانگی کے بارے میں حضرت امام حسین ہم پر غالب آگئے۔ قسم ہے مجھے اپنی عمر کی، بے شک انہوں نے اپنے والد (حضرت علی مرتضیٰ) اور اپنے بھائی (حضرت امام حسن) سے عبرت دیکھی ہے (کہ کس طرح کوفیوں نے ان کے ساتھ بے وفائیاں کی ہیں) اسی قسم کی گفتگو آپ سے حضرت جابر بن عبداللہ اور ابو سعید خدری اور ابو واقد لیثی وغیرہ نے کی۔ (یہ سب روانگی سے باز رکھتے رہے) مگر آپ نے کسی کی بات نہ مانی اور عراق کی جانب روانگی کا عزم مصمم کرلیا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خدا کی قسم میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ شاید آپ اپنے صاحبزادوں، عورتوں اور صاحبزادیوں کے درمیان شہید کر دیئے جائیں گے جیسے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے، مگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول نہ فرمایا۔ اس پر حضرت ابنِ عباس رونے لگے اور کہا

کہ آپ نے حضرت ابنِ زبیر کی خواہش پوری کردی، اور جب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابنِ زبیر کو دیکھا تو فرمایا، اب تو تمہاری آرزو پوری ہوگئی۔ یہ امام حسین تشریف لئے جا رہے ہیں اور حجاز تمہارے لئے چھوڑے جاتے ہیں اور یہ شعر پڑھا ؎ (ترجمہ)

اے قنبرہ پرندے کشادہ سبزہ زار تیرے لئے کیا ہے
تیرے لئے پورا میدان خالی ہے پس تو اب انڈے بچے دے
اور اب جہاں چاہے تو دانہ پانی حاصل کر
آج تیرا شکاری بیمار ہے تجھے مبارک ہو

عراقیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس متعدد قاصد اور خطوط بھیجے جس میں وہ آپ کو اپنی طرف بلاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے اہلِ بیت کی ایک جماعت کے ساتھ جس میں مرد، عورتیں اور بچے بھی تھے عراق کی طرف کوچ فرمایا۔ اس وقت یزید نے گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا کہ وہ آپ سے جنگ کرے۔ پس اس نے چار ہزار کا لشکر بھیجا ان پر عمرو بن سعد بن وقاص کو سردار بنایا۔ چنانچہ کوفہ والوں نے اپنی عادت کے موافق آپ سے دغا اور بے وفائی کی جیسا کہ آپ کے والد ماجد (حضرت علی مرتضیٰ) کے ساتھ کی تھی اور آپ کی مدد نہ کی۔ جس وقت آپ کو ہتھیار بندوں نے گھیر لیا تو آپ نے ان پر اطاعت و رجوع اور یزید کے پاس جانا سامنے رکھا تاکہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھیں، تو ان لشکریوں نے انکار کیا مگر یہ کہ وہ آپ کو شہید کردیں، پس آپ شہید کردیئے گئے اور آپ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر ابنِ زیاد کے سامنے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو آپ کے قاتل اور اس کے ساتھ ابنِ زیاد اور یزید پر بھی۔ حضرت امام حسین کی شہادت کربلا میں واقع ہوئی۔ آپ کی شہادت کا قصہ بہت طویل ہے، دل کو اس کے ذکر کی برداشت نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے ساتھ اہلِ بیت میں سے سولہ مرد شہید ہوئے اور جب حضرت امام حسین شہید ہوئے تو سات دن دنیا روئی اور سورج کی روشنی دیواروں پر ایسی تھی جیسے

کسم کی رنگی ہوئی سرخ چادر، اور ستارے باہم ٹکراتے تھے اور آپ کی شہادت عاشورہ کے دن ہوئی، اس دن سورج کو گہن لگا۔ آپ کی شہادت کے بعد چھ مہینے تک آسمان کے کنارے سرخ رہے، اس روز سے ہمیشہ یہ سرخی دکھائی دیتی ہے، اس سے پہلے وہ نظر نہ آتی تھی۔ مروی ہے کہ اس دن بیت المقدس کا جو پتھر بھی الٹا جاتا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا، ان کے لشکریوں کے تمام کپڑے راکھ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے لشکر میں اونٹ ذبح کیا تو اس کے گوشت میں آگ دیکھتے تھے۔ اور جب اس کو پکایا تو وہ گوشت جل کر کڑوا ہو گیا۔ ایک آدمی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ بد گوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک شہاب ثاقب (چمکتا ستارہ) مارا تو وہ اس کو اندھا کر گیا۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ عبدالمالک بن عمرو لیثی سے راویوں نے کئی طرح روایت کی ہے۔

کہتے ہیں کہ میں نے اس قصر (گورنمنٹ ہاؤس) میں اور اشارہ کیا کوفہ کی دارالامارۃ کا، حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے سر مبارک کو ایک ڈھال میں عبیداللہ بن زیاد کے سامنے رکھا دیکھا۔ پھر عبیداللہ بن زیاد کا سر مختار بن عبید کے سامنے دیکھا، پھر مختار کا سر مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا، پھر مصعب کا سر عبدالملک کے سامنے دیکھا پھر عبدالملک سے میں نے یہ بات کہی تو اس نے بد شگونی لی اور اس دارالامارۃ کو چھوڑ دیا۔

جب حضرت امام حسین اور ان کے خاندان کے افراد شہید ہو گئے تو ابنِ زیاد نے ان سروں کو یزید کے پاس بھیج دیا تو وہ پہلے تو اس سے خوش ہوا لیکن جب مسلمان اس کے اس فعل سے ملامت کرنے لگے اور اس کو برا جاننے لگے تو پھر وہ شرمندہ ہوا۔ مسلمانوں کا اس کو مبغوض جاننا حق بجانب تھا۔

۶۳ھ میں یزید کو خبر ملی کہ اہلِ مدینہ نے اس پر خروج کیا ہے اور اس کی بیعت توڑ دی ہے تو ایک بھاری لشکر بھیجا اور ان سے قتال کرنے کا حکم دیا اس کے بعد مکہ مکرمہ پر چڑھائی کا حکم دیا کہ وہ حضرت ابنِ زبیر سے جنگ کریں۔ پس وہ لشکر آیا اور باب طیبہ پر حرہ واقع ہوا۔ تم کیا جانو کہ جنگ حرہ کیا ہے، یہ وہ واقعہ ہے جس کے ذکر کی دل میں گنجائش نہیں۔ اور نہ کان اس کے سننے کی طاقت رکھتے ہیں۔ صرف ایک مرتبہ حضرت

حسن بصری رحمتہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے، پس فرمایا کہ خدا کی قسم ان میں سے کوئی بھی نہ بچا اس میں صحابہ وغیرہ کی ایک جماعت شہید ہوئی اور مدینہ لٹ گیا اور ہزارہا کنواری لڑکیوں سے زنا کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اہلِ مدینہ کو خوفزدہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر خوف مسلط کر دے گا اور اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔

اہلِ مدینہ نے جو بیعت کو فسخ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یزید کے معاصی حد سے زیادہ ہو گئے تھے۔ واقدی نے کئی طرح سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ نے کہا کہ خدا کی قسم ہم یزید پر خروج نہ کرتے یہاں تک کہ ہم خوفزدہ تھے کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو کیونکہ بعض لوگ تو امہات الاولاد اور بیٹیوں، بہنوں سے نکاح کرنے لگے تھے اور شرابیں پیتے اور نمازیں ترک کرتے تھے۔

ذہبی کہتے ہیں کہ اہلِ مدینہ پر یزید نے جو کرنا تھا کیا۔ باوجودیکہ شراب پیتا اور منکرات پر عمل کرتا تھا۔ تب اس پر لوگوں نے سختی کی اور بکثرت لوگوں نے اس پر خروج کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت نہ دے۔

پھر یہ لشکر حرہ حضرت ابنِ زبیر سے جنگ کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوا تو لشکر کا سردار مر گیا تو دوسرا اس کا قائم مقام بنا دیا۔ اس نے مکہ میں گھس کر حضرت ابنِ زبیر کا محاصرہ کر لیا اور جنگ شروع کر کے منجنیق کے ذریعہ پتھر پھینک پھینک کر مارے۔

یہ واقعہ ۶۴ھ کے ماہ صفر کا ہے اور ان کی آگ کے شعلوں سے خانہ کعبہ کے غلاف اور اس کی چھتیں جل گئیں اور اس مینڈھے کے دونوں سینگ جو (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ میں آیا تھا اور) خانہ کعبہ کی چھت میں آویزاں تھے، جل گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسی سن کے نصف ربیع الاول میں یزید کو ہلاک کیا اور اس کے ہلاک ہونے کی خبر آ گئی۔

ماہِ صفر

باخبر ہونا چاہیے کہ صفر کی نفی اور اس سے بدشگونی لینے کی ممانعت متعدد طریقوں سے بکثرت حدیثوں میں وارد ہے۔ پہلے ہم اُن حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں جو ماہ صفر کے بارے میں مروی ہیں، پھر اس کے بعد جو اُن کا مفہوم و مطلب ہے، اس کو بیان کریں گے۔ علماء نے ان حدیثوں کو "جامع الاصول" سے نقل کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں صفر میں نہ بیماری ہے نہ نحوست ہے اور نہ بھوت و شیطان۔ مسلم نے اس کی تخریج کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا نہ بیماری کا لگنا ہے، نہ نحوست اور نہ شیطان کا چنگل۔ ایک بدوی نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اُونٹ میں کیا ہے جو دوڑتا جھپٹتا ہے، گویا کہ وہ ہرن ہے جسے خارش ہے، پھر وہ اُونٹوں میں گھس جاتا ہے اور سب کو خارش ہو جاتی ہے؟ فرمایا، پھر پہلے اُونٹ کو خارش کس نے لگائی۔ بخاری و مسلم، ابوداؤد نے اس کی تخریج کی۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ نہ بیماری کا لگنا ہے اور نہ بدشگونی اور نہ چنگل نہ بدفالی۔ اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے، اور نہ بھوتوں کا دخل۔

ابنِ عطیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بیماری لگنا ہے، نہ شیطان کا چنگل (بام) ہے اور نہ بدفالی۔

بیمار اُونٹ تندرست اُونٹوں میں نہ اُترے، اور تندرست اُونٹ جہاں چاہے پھرے۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا وہ ایذاء دیتا ہے۔ حضرت امام مالک نے "موطا" میں اس کی تخریج کی۔

"جامع کبیر" کی حدیثیں یہ ہیں کہ نہ بیماری لگتا ہے، نہ بدشگونی، نہ نحوست اور نہ بدفالی، اور یہ کہ کوڑھی (جذامی) سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے۔ حضرت امام احمد نے اپنی مسند میں اور بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی کو کسی کی بیماری نہیں لگتی، پس پہلے بیمار کو کس نے خارش لگائی، نہ بیماری لگتا ہے اور نہ صفر (بدفالی) ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر ایک جان پیدا کی ہے، تو اُس نے اُس کی زندگی، رزق اور مصیبتوں کو لکھ دیا ہے۔ حضرت امام احمد نے اپنی مسند اور ترمذی نے جامع میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نہ بیماری لگتا ہے اور نہ بدشگونی ہے، نہ نحوست ہے نہ صفر (بدفالی) ہے، نہ بھوتوں کا اثر۔ اس کو امام احمد و مسلم نے بیان کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بیماری لگتا ہے نہ بدفالی ہے، نہ نحوست ہے۔ امام احمد اور بیہقی و ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور امام احمد و مسلم نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ نہ صفر ہے نہ نحوست ہے اور نہ بیمار کی بیماری تندرست کو لگے۔ اس کو قاضی محمد بن عبدالباقی انصاری نے اپنی حدیث کے جزو میں اپنے مشائخ سے بیان کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نہ صفر ہے نہ نحوست ہے نہ بیماری لگتا ہے اور نہ دو مہینے ساٹھ دن کے ہوں۔ اور جس نے اللہ کے ذمہ سے بدعہدی کی تو وہ جنت کی بو نہ سونگھے گا۔ طبرانی نے "معجم کبیر" میں اور ابنِ عساکر نے عبدالرحمٰن بن ابی عمیر مزنی نے اسے بیان کیا۔ طبرانی نے اسے ابوامامہ سے بھی ان لفظوں میں بیان کیا کہ نہ بیماری لگتا ہے اور نہ صفر ہے نہ نحوست ہے اور نہ دو مہینے تیں (۳۰) تیں (۳۰) دن کے ہوں، جس نے اللہ کے ذمہ سے بدعہدی کی سو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا، نہ

بیماری لگنا ہے نہ نحوست ہے نہ صفر ہے' اللہ نے ہر ایک جان کو پیدا کیا تو اُس نے اُس کی زندگی' اُس کی موت' اُس کی مصیبت اور اُس کا رزق لکھ دیا ہے۔

احمد و خطیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نہ بیماری لگنا ہے اور نہ بدشگونی ہے' نہ نحوست ہے' نہ صفر ہے' پس پہلے کو کس سے بیماری لگی' اس کو احمد و ابنِ ماجہ اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نہ بیماری لگنا ہے' نہ نحوست ہے نہ صفر ہے۔ بیمار اُونٹ' تندرست اُونٹوں میں نہ گھسے' اور تندرست اُونٹ جہاں چاہے گزرے۔ عرض کیا گیا یہ کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ یہ ایذاء دیتا ہے۔ اس کو بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نہ بیماری لگنا ہے' نہ نحوست ہے' نہ صفر ہے۔ اس کو ابنِ جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور ثعلبہ بن یزید حمانی سے مروی ہے کہ کہا میں نے حضرت علی کو کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' نہ صفر ہے' نہ نحوست ہے' نہ تندرست کو بیمار کی بیماری لگے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ فرمایا ہاں' میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کو ابنِ جریر نے بیان کر کے صحیح کہا ہے۔

جب ہم حدیثوں کو بیان کر چکے تو اب ہم لا صفر جو فرمایا گیا ہے' اُس کا مفہوم و مطلب بیان کرتے ہیں' تو ہم لکھتے ہیں کہ:

ابنِ اثیر نے "نہایہ" میں کہا کہ صفر اہل عرب کے گمان میں پیٹ کے اندر سانپ ہوتا ہے جو انسان کو بھوک میں کاٹتا ستاتا ہے' اور یہی مرض متعدی بن جاتا ہے' پس اسلام نے اس کو باطل قرار دیا۔

کرمانی شرح بخاری میں ہے کہ صَفَر (بفتحتین) ایک پیٹ کا سانپ ہے' وہ سمجھتے تھے کہ خارش سے زیادہ متعدی ہے۔

طیبی شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اہل عرب گمان کرتے تھے کہ وہ سانپ بھوک کے وقت کاٹتا ہے اور بھوک کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے' وہ اس کے کاٹنے سے ہوتی

ہے۔

اور بعض یہ کہا کرتے تھے کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ ان کے گمان میں اس میں مصیبتیں اور آفتیں بہت ہوتی ہیں، تو شریعت نے ان کی نفی کر دی۔ اور "نہایہ" میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد نسئی ہے، وہ یہ کہ محرم کو صفر تک موخر کرنا اور صفر کو ہی ماہِ محرم ٹھہرا دینا ہے۔ اور امام نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ صفر پیٹ میں ایک کیڑے کو کہتے ہیں اور وہ "کدو دانے" کی طرح بھوک کے وقت پھدکتے ہیں، اور بسا اوقات مار بھی ڈالتے ہیں۔ "دواب" دال مہملہ اور بائے موحدہ کے ساتھ جمہور کے نزدیک ہے، اور "ذوات" کی روایت بھی ہے، یعنی ذال معجمہ اور تائے فوقانیہ دو نقطوں سے اس کی بھی تاویل ہو سکتی ہے اور "نہایہ" میں ہے کہ اول زردی اللہ کی راہ میں سرخ اُونٹوں سے بہتر ہے، یعنی بھوکا رہنا۔

اور صفرا اُس کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو جگر میں پسلیوں کی ہڈیوں کے سرے میں پیدا ہوتا ہے، تو اُس سے آدمی بہت زیادہ زرد ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات وہ اس کو مار بھی دیتا ہے، (طبی اصطلاح میں اس مرض کو "یرقان اصفر" کہتے ہیں۔ ۱۲ مترجم)

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب "مشارق انوار" میں ہے کہ لا صفر سے مراد وہ مشہور مہینہ ہے کہ جاہلیت والے جس کے حکم و دستور کو نسئی میں بدل ڈالتے، اور ماہ محرم کو ان سے موخر کر کے صفر کو حرام ٹھہراتے تھے، یہ حضرت امام مالک وغیرہ کا قول ہے۔ اور ایک قول کی بنا پر لا صفر کا یہ معنی مراد ہے کہ وہ پیٹ میں کیڑا ہوتا ہے جو مثل سانپ کے ہے، اور بھوک کے وقت اِنسان کو کاٹتا ہے اور ایک سے دوسرے پر تجاوز کر جاتا ہے، تو اس تعدی کو اسلام نے باطل کر دیا۔

"جامع الاصول" میں ہے کہ ابوداوٗد کہتے ہیں کہ بقیہ نے کہا کہ میں نے محمد بن راشد سے لا ھامۃ کے معنی دریافت کئے تو فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے کہ کوئی نہیں ہے کہ مرجائے پھر دفن کیا جائے، مگر اس کی قبر میں سے ہامہ نکلتا ہے۔ اور لا صفر کے معنی پوچھے تو فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کے آنے کو منحوس جانا کرتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا لا صفر۔ کہتے ہیں کہ میں

نے ایک شخص سے یہ کہتے سنا کہ صفر ایک درد ہے جو پیٹ میں اٹھتا ہے جس کو وہ متعدی خیال کرتے تھے، یہ کہنے والے ابو درداء ہیں۔

امام مالک نے فرمایا کہ اہل جاہلیت صفر کو ایک سال میں حلال اور ایک سال میں حرام کر لیتے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لاصفر۔ اور اسی میں ہے کہ "شرح غریب الصاد" میں منقول ہے کہ لاصفر حدیث کی تفسیر مذکور ہوگی۔ اور عرب گمان کرتے تھے کہ پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے اور یہ متعدی ہے، تو اسلام نے اسے باطل قرار دے دیا۔

بندۂ ضعیف (شیخ محقق رحمہ اللہ) (اللہ تعالیٰ اُن کے حال کو درست رکھے اور ان کی گرانی کو دور فرمائے) کہتے ہیں کہ اسی طرح مختلف اقوال صفر سے مراد لینے میں وارد ہیں۔ ان سب باتوں کا خلاصہ تین باتوں پر منحصر ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ صفرؔ سے مراد یا تو معروف و مشہور مہینہ ہے، دوسرے یہ کہ اس سے پیٹ کا کیڑا مراد ہے، تیسرے یہ کہ نسئ مذکورہ مراد ہے۔ اور بد شگونی لینے کے ضمن میں اس کا ذکر کرنا پہلی مراد کے لینے میں تائید کرتا ہے۔ متعدی امراض کے ضمن میں ذکر کرنے سے دوسرے معنی مراد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کیا مراد ہے۔

جب ہم "صفر" سے مراد لینے سے فارغ ہو گئے تو اب مناسب ہے کہ دوسرے اُن الفاظ کی مراد بھی بیان کر دیں جو احادیث میں واقع ہوئے ہیں، چنانچہ العدوی (بیماری کا متعدی ہونا) کے بارے میں کہا جاتا ہے "مرض متعدی ہو گیا" جب اس کے ہم نشیں اور پڑوسی کو، یا اس کے ساتھ کھانے پینے ملنے جلنے والے کو ویسا ہی مرض ہو جائے، بلاشبہ اسلام نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔ اسی طرح "جامع الاصول" میں (حدیث کا دوسرا لفظ) التطیر ہے۔ "جامع الاصول" کی شرح میں جو انہی مصنف کی ہے، اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ طیرہ وہ ہے جس سے بد شگونی لی جائے فال کے ذریعہ۔ یہ طیر سے مشتق ہے۔ عرب کا دستور تھا کہ وہ کوے اور شکرے جیسے پرندوں سے بدفالی لیا کرتے تھے اور اس کو منحوس سمجھتے تھے، اور یہ جانتے تھے کہ یہ پرندے خیر کی ضد اور مانع ہیں۔ پس اسلام نے اس کی ممانعت کر دی اور فرما دیا لاطیرۃ اور یہ مصدر ہے جیسے

التطیر تطیر الرجل تطیرا ایا جیسے کہ تخیرۃ الشئ تخیرا وخیرۃ۔

دوسرے مصادر سوائے ان دونوں مصدروں کے اس وزن پر نہیں آتے، اور الفال دراصل مھموز العین ہے، کبھی ہمزہ کی تخفیف کردی جاتی ہے "فال" اس طرح ہوتی ہے کہ کوئی آدمی بیمار ہوا اور دوسرے سے سنتا ہے کہ وہ کہتا ہے اے تندرست! یا کسی چیز کی تلاش ہو، وہ دوسرے سے سنتا ہے کہ کہتا ہے اے پانے والے! تو وہ اپنے گمان میں یہ خیال کرتا ہے کہ اب اپنے مرض سے نجات پالوں گا اور اپنی گمشدہ چیز کو پالوں گا، اس قسم کی فال درست ہے، آئندہ اس کی تحقیق آنے والی ہے۔

منقول ہے کہ العدوٰی اعداء کا اسم مشتق ہے جیسے البقوٰی، الابقاء کا مشتق ہے۔ اعداہ الداء کے معنی یہ ہیں کہ اس کو وہی مرض لگ گیا ہے جو اس کے ساتھی کو تھا۔ مثلاً ایک اُونٹ کو خارش ہو تو اُس کو دوسرے اُونٹ سے ملنے نہ دیں، اس خوف سے کہ کہیں دوسرے کو بھی خارش نہ ہو جائے اور یہ اعتقاد رکھیں کہ خارش خود بخود اُڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہے، تو اس کو اسلام نے باطل قرار دیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بیمار ڈالتا ہے اور وہی دوا اُتارتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پہلے کو کہاں سے لگی؟ یعنی پہلے اُونٹ میں خارش کہاں سے آ گئی۔ تورپشتی "شرح مصابیح" میں کہتے ہیں کہ العدوٰی کے معنی بیماری اور عادت کے ہیں، جو دوسروں کو لگ جائے۔ اس قسم کی بیماری اطباء کے نزدیک سات مرضوں میں ہے: (۱) جذام (کوڑھ)، (۲) خارش، (۳) چیچک (۴) سرخبادہ، (۵) گندہ دہنی (۶) آشوب چشم اور (۷) امراض وبائی۔

علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "مشارق الانوار" میں لکھا ہے کہ عدوٰی اس کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت کے لوگ اعتقاد رکھتے تھے، مریض کا مرض اُس کے ہم نشین، پڑوسی کو لاحق ہو جائے، درآنحالیکہ وہ اس سے پہلے تندرست ہو تو شریعت نے اس کی نفی کردی۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لاعدوٰی۔ یہ اس امر کا بھی متحمل ہے کہ ایسا اعتقاد نہ رکھنا چاہیے۔ یا یہ کہ حقیقتاً یہ بے اصل بات ہے، جیسا کہ فرمایا کہ کوئی چیز کسی کو نہیں لگتی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی

ہے کہ پہلے کو کہاں سے لگی (جو نفی وجود پر دال ہے) یہ دونوں مفہوم شرعاً درست ہیں۔
(حدیث کے لفظوں میں) الھام ہے جو ہامہ کی جمع ہے، وہ ایک پرندہ ہے کیونکہ عرب اعتقاد رکھتے تھے کہ مردہ کی ہڈیاں "ہامہ" ہو کر اُڑ جاتی ہیں، اور یہ کہا کرتے تھے کہ مقتول ہامہ سے نکلتا ہے یعنی ہامہ کے سر سے نکلتا ہے، وہ ہمیشہ یہ کہتا رہتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ، حتیٰ کہ اُس کا قاتل ہلاک کر دیا جائے۔ اور "نہایہ" میں ہے کہ ہامہ سر کو کہتے ہیں، اور ایک پرند کا نام ہے اور حدیث میں یہی مراد ہے، اور یہ اس لیے کہ عرب اس سے نحوست کی بدشگونی لیتے تھے۔ اور ہامہ رات کا پرند ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ہامہ اُلو کو کہتے ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب گمان رکھتے تھے کہ اُس مقتول کی روح جس کے بغض و کینہ کا بدلہ نہ لیا جائے، وہ ہامہ (پرندہ) بن کر اُڑتی پھرتی ہے کہ ہامہ مردے کی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اور ایک قول ہے کہ اس کی روح ہامہ ہو جاتی ہے پھر وہ اُڑتی پھرتی ہے اور اس کا نام صدیٰ رکھتے تھے۔ پس اسلام نے اس کی نفی فرمادی اور ایسا اعتقاد رکھنے کی ممانعت کر دی۔

طیبی فرماتے ہیں کہ الھامہ ایک نام ہے جس کو وہ منحوس سمجھتے تھے، اور عرب گمان رکھتے تھے کہ مردے کی ہڈیاں جب بوسیدہ ہو جاتی ہیں تو ہامہ ہو کر قبر سے نکل آتی ہے اور ماری ماری پھرتی ہے اور اپنے گھر والوں کی خبریں لیتی ہے۔ پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم نے اس اعتقاد کو باطل فرمادیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ہامہ وہ اُلو ہے، جب کسی کے گھر پر جا بیٹھتا ہے، تو وہ اُس کو اپنی موت یا گھر والوں میں سے کسی کی موت کی خبر دینے والا اعتقاد کرتے تھے، اور ہامہ میم مخففہ کے ساتھ ہے روایت مشہورہ کی بناء پر۔ اور ایک قول تشدید کا بھی ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الھام" ایک پرندہ ہے جو مردوں اور قبروں سے محبت رکھتا ہے، اور اسی کو صدیٰ بھی کہتے ہیں، اور وہ رات ہی کو اُڑتا ہے اور وہ اُلو کا غیر ہے مگر اس کا مشابہ ہے۔ اور عرب گمان رکھتے تھے کہ جب کوئی شخص قتل ہو جائے اور اُس کے کینہ کا بدلہ نہ جائے تو اُس کے ہامہ سے جو سر کا اُوپر کا حصہ ہے، ایک پرند نکلتا ہے، وہ اُس کی قبر پر چلاتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ، مجھے پانی پلاؤ، میں پیاسا ہوں،

یہاں تک کہ اُس کا قاتل مارا جائے۔ اس سلسلہ میں ان کے بہت سے اشعار ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر سے ایک کیڑا نکلتا ہے، پھر وہ پرندہ بن کر ایسی ہی آوازیں دیتا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ممانعت یہی احتمال رکھتی ہے اور اسی طرف بہت سے علماء گئے ہیں۔ اور اسی طرف حربی اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رجحان ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ میں اُس کو پرند ہی خیال کرتا ہوں جس کو وہ لوگ ہامہ کہتے ہیں۔ حضرت علامہ قاضی نے فرمایا کہ ممکن ہے اس سے تطیر یعنی بدشگونی لینا مراد ہو، کیونکہ عرب بھی اُس پرندے سے جس کو ہام کہتے ہیں، بدشگونی لیا کرتے تھے، اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو نیک فال لیا کرتے تھے، یہ شمر بن حمدویہ کا مذہب ہے، اس کو ابنِ اعرابی سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ عرب گمان رکھتے تھے کہ جب مردوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ہامہ بن کر اُڑ جاتی ہیں تو اُس کو صدیٰ کہتے تھے۔

(حدیث شریف میں) الغول ہے، شرح "جامع الاصول" میں اس کی تفسیر میں یوں ہے کہ یہ ایک جانور ہے جس کے بارے میں عرب سمجھتے تھے کہ یہ بعض اوقات راستہ میں سامنے آجاتا ہے، پھر وہ لوگوں کو مار ڈالتا ہے۔ یہ شیطانوں کی ایک قسم ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد لاغول اُس سے شیاطین کی حقیقت (ذات) اور اس کے وجود کی نفی میں نہیں ہے، بلکہ اس میں عرب کے اس گمان کا ابطال ہے جو وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہلاک کر دیتا ہے اور مختلف صورتوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کی تصدیق نہ کرو۔

"نہایہ میں ہے کہ غول، غیلان کا مفرد ہے، اور یہ شیطان، جن کی جنس میں سے ہے۔ عرب گمان رکھتے تھے کہ غول جنگل میں لوگوں کو نظر آتا ہے، پھر وہ مختلف صورتوں میں پلٹتا ہے اور لوگوں کو راستہ سے بھٹکاتا ہے، پھر وہ ہلاک کر دیتا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ لاغول میں غول کی ذات کی نفی نہیں ہے، بلکہ عرب کے اس گمان کا ابطال ہے جو وہ

کہتے تھے کہ وہ مختلف صورتوں میں تبدیل ہو کر لوگوں کو بھٹکاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کو نہیں بھٹکاتا اور یہ حدیث اس مفہوم کی شاہد ہے کہ غول نہیں ہے بلکہ ''سعالی'' ہے اور سعالی، جنوں میں جادوگر ہوتے ہیں--- مطلب یہ کہ جنوں میں جادوگر ہوتے ہیں جو تخیلات اور تلیسات میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں یہ حدیث ہے کہ جب شیاطین پریشان کریں اور مختلف صورتیں بدلیں تو فوراً اذان دینا شروع کردو، یعنی ان کے شر کو ذکر الٰہی سے دور کردو، کیونکہ اذان سے وہ بھاگ جائیں گے۔ یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ غول کی نفی سے ان کے وجود کی نفی مراد نہیں ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ بلکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کسی کام سے بھٹکانے اور کسی کو ہلاک کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے بجز اذنِ الٰہی جل جلالہ کے۔

اور کہا گیا ہے کہ غیلان، جنوں کے جادوگر ہیں جو لوگوں کو بھٹکا کر فتنوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ مفاتیح شرح مصابیح میں ہے کہ غول بفتح الغین مصدر ہے جو بہ معنی ''غالہ اھلکہ'' ہے اور ضمہ (پیش) کے ساتھ ایک نام ہے۔ عرب گمان کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، لہٰذا شریعت نے اس کی نفی کردی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غول، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے دور ہو گیا ہو، جیسے آسمان سے باتوں کو اُچکنا جاتا رہا۔

طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں غول کے پنجہ میں آؤں۔ اب اگر غول سے کسی چیز کا قبضہ میں آنا اس طرح پر کہ اُسے خبر نہ ہو مراد ہے، تو میں (شیخ محقق رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ اس کی تائید یہ روایت بھی کرتی ہے کہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں غول کے پنجہ میں نیچے کی جانب سے آؤں، یعنی میں اس طرح پر مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں کہ مجھے خبر بھی نہ ہو، اس سے مراد زمین میں دھنس جانا ہے، جیسا کہ نہایہ میں ہے۔

اور حضرت علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ ''مشارق الانوار'' میں فرماتے ہیں کہ ولا غول غین کے ضمہ کے ساتھ جو روایت ہے، حدیث میں اُس کی تفسیر آئی ہے کہ غول وہ ہے جو تغوُّل کرے، یعنی تا اور غین کے فتح کے ساتھ مراد ہے۔ مطلب یہ کہ جنوں

کے جادوگر غیلان کی طرح مختلف صورتیں بدلتے ہیں، کیونکہ عرب کہا کرتے تھے کہ غیلان لوگوں کو دکھائی دیتا ہے، اور خوب مختلف صورتیں بدلتے ہیں، اور ان کو راستہ سے بھٹکاتے اور ہلاک کرتے ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حالت کو باطل کردیا۔

(حضور کے ارشاد میں) النوء ہے، شرح "جامع الاصول" میں ہے۔ النوء، انواء کا مفرد ہے اور یہ اٹھائیس (۲۸) ستارے ہیں، وہ منازل ہیں۔ ان میں سے غرب میں تیرھویں رات کو طلوع فجر کے ساتھ ایک منزل ختم ہوتی ہے اور دوسری منزل اس کے مقابل سے طلوع کرتی ہے۔ بس یہ اٹھائیس (۲۸) کو اکب سال بھر میں اپنے دورے تمام کرتے ہیں۔ عرب گمان کرتے تھے کہ ایک منزل کے ساقط ہونے اور اُس کے مقابل طلوع کرنے سے بارش ہوتی ہے۔ پس عرب بارش کو منزل کی طرف نسبت کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی۔ اسی لیے اس کا "نوء" نام پڑ گیا، اس لیے کہ جب ساقط ہونے والی منزل مغرب میں ساقط ہوتی ہے تو طلوع ہونے والی منزل مشرق سے طلوع ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں ینوء نوءا یعنی ڈوبا اور طلوع ہوا۔

ایک قول یہ ہے کہ نوء کے معنی غروب کے ہیں اور وہ اضداد سے ہے۔ حضرت ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ کے سوا کہیں اور نوء کے معنی غروب کے نہیں سنتے ہیں، اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نوء کے بارے میں شدت فرمائی، کیونکہ عرب بارش کی اس کی طرف نسبت کرتے تھے لیکن وہ شخص جو یہ اعتقاد رکھے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور مطرنا بنوء کذا (کہ ہم پر فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی) سے یہ مراد لیتا ہے کہ فلانے وقت میں بارش ہوتی ہے کہ وہ فلانی منزل میں ہے، تو اب یہ بولنا جائز ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز استسقاء کا قصد فرمایا، تو حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو (جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا تھے) بلایا، دریافت کیا کہ ثریا کی منزل میں کتنے دن باقی رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس علم کے جاننے والے (منجم) گمان کرتے ہیں کہ زمین میں سقوط کے بعد

سات مرتبہ کنارے پر آیا ہے، پھر وہ سال تمام نہ ہوا کہ بارش ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد اس سے یہ تھی کہ اس وقت میں کتنی مدت باقی ہے کہ جب حسب عادت وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے۔

"نہایہ" میں ہے کہ امر جاہلیت کی باتوں میں سے انواء ہے، اور وہ اٹھائیس (۲۸) منازل قمر ہیں اور چاند ہر رات ان میں سے ایک منزل طے کرتا ہے، اس طرح آیت کا یہ اشارہ ہے کہ القمر قدرناہ منازل۔۔۔ الآیہ۔ چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں۔ نہایہ کا باقی کلام شرح "جامع الاصول" کے کلام کی طرح ہے۔ سوائے اس قول کے جو ابو عبید سے منقول ہے۔

صحیح بخاری کی شرح میں کرمانی فرماتے ہیں کہ نوء نون کی فتح اور سکون واؤ کے ساتھ ہے، اس کے بعد ہمزہ ہے۔ عرب والے گمان کرتے تھے کہ بارش ستاروں کے طلوع و غروب کی وجہ سے ہوتی ہے، جو شخص اس کو محض ایک وقت کہے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، اس لیے کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہے جو بندوں پر فوائد سے مشہور نہ ہو۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نماز استسقاء کا واقعہ بیان کیا، اُسی طرح پر جیسا "جامع الاصول" میں مذکور ہے۔

قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کا معتقد ہو کہ یہی اللہ تعالیٰ کے سوا فاعل ہے، یا اُس کو اور اللہ تعالیٰ کو شریک گردانے پس وہ کافر ہے، اس لیے کہ پیدائش اللہ وحدہ کا کام ہے۔ اور جو شخص انواء سے اجراء عادت مراد لے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے اس لیے کہ یہ کفر کی علامت ہے، اور اس سے کفر کا خدشہ ہوتا ہے۔

طیبی فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ایسے ہی انواء کا ذکر کرنا امر جاہلیت میں سے ہے، جو یہ کہے فلاں نوء کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی، کیونکہ عرب والوں کے نزدیک اٹھائیس (۲۸) منزلوں میں سے کسی ایک منزل میں ستارہ کے غروب و سقوط (کا نام نوء) ہے اور وہ یہ کہ ایک ستارہ کا مغرب میں ڈوبنا اور معاً دوسرے ستارہ کا مشرق سے اس کے مقابل طلوع ہونا ہے۔ ان کے اعتقاد میں یہ ہے کہ

ایسے وقت یقیناً بارش ہوگی- بارش کا سبب یا تو نوء ہے یا تیز آندھی وغیرہ- پھر ان میں سے بھی کچھ تو ڈوبنے والے ستارہ کی تاثیر مانتے ہیں، اور کچھ طلوع ہونے والے کی- اس لیے کہ یہی تو ہے جس سے نوء ہوا، یعنی اپنی جگہ سے اُوپر اُبھرا، طلوع ہوا-

پس بارش کی اُس کی طرف نسبت کرتے ہیں، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرمادی- اور ان کا یہ قول کہ اس کا فاعل کافر ہوتا ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے- اکثر علماء اس پر متفق ہیں ممانعت اور تکفیر اُس شخص کے لیے ہے جو ستارہ کو بالذات فاعل اعتقاد کرے، نہ کہ وہ شخص جو عادت کی طرف نسبت کرے- اور بعض علماء ہر طرح پر مکروہ فرماتے ہیں، کیونکہ ممانعت عام ہے- اور کچھ علماء اس کے کفر کے اعتقاد سے مراد کفران نعمت لیتے ہیں- ہم نے اپنی دوسری کتاب میں اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے-

چونکہ طیرہ اور عدویٰ لوگوں میں بہت مشہور ہے اور عملی واعتقادی صورت میں لوگ سخت مبتلا ہیں، اور احادیث ان دونوں کے بارے میں بکثرت واقع ہیں، تو ہم نے عزم کیا کہ مستقلاً دو بابوں میں جداگانہ بیان کردیں-

پہلا باب طیرہ کے بیان میں

طیبی میں ہے کہ طیرہ "طا" کی زیر "یا" کے زبر کے ساتھ ہے، اور کبھی "یا" ساکن بھی ہوتی ہے- اس کے معنی کسی شے کو منحوس سمجھنا ہے- یہ مصدر تطیرہ طیرۃ کا ہے- جیسے تحیر حیرۃ- ان دونوں کے سوا کوئی اور مصدر اس وزن پر نہیں آتا- اور اصل حقیقت یہ ہے، جیسا کہ منقول ہے کہ پرندوں اور بوارح (یعنی صیاد) کے داہنے ہاتھ میں شکار کا آنا، اور ہرن وغیرہ سے بدشگونی لینا ہے- اس پر ان کو اتنا اعتقاد تھا کہ وہ اپنے ارادوں سے رک جاتے تھے- پس شریعت نے اس کی ممانعت کرکے اسے بالکل باطل قرار دے دیا، اور خبر دے دی کہ اس میں کسی طرح کے نفع دینے اور نقصان پہنچانے کی تاثیر نہیں ہے- اور فال مہموز العین ہیں- یہ نیک و بد دونوں میں مستعمل

ہے' اور طیرہ صرف بدشگونی میں مستعمل ہے۔ بسا اوقات نیک فال میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ تذکرہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہے' لیکن شرعی اعتبار سے اس کا استعمال یہ ہے کہ "فال" جب مطلق مستعمل ہوگا تو اس سے نیک کام خاص ہوگا' اور "طیرہ" امرِ بد کے لیے' ہاں مقید فال کا استعمال امرِ بد کے لیے ہو جاتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ بد فال' مکروہ فال وغیرہ۔ طیبی فرماتے ہیں کہ فال اور طیرہ میں فرق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے سمجھا جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے' حضور نے ارشاد فرمایا "نہ عدویٰ ہے اور نہ طیرہ' مجھ کو تو فال پسند آتی ہے۔" صحابہ نے عرض کیا فال کیا ہے؟ فرمایا وہ نیک کلمہ ہے۔ کرمانی شرح "بخاری" میں فرماتے ہیں کہ اس کی اصل یہ ہے کہ عرب ہرنوں اور پرندوں کو چھوڑتے تھے' پس جب وہ داہنی طرف کو جاتے تو اُس کو متبرک جانتے اور اگر بائیں طرف جاتے تو اُسے منحوس گردانتے۔

امام نووی "مسلم" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس پر اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ضرر نہ واقع ہوتا ہو' اور نہ عادتاً اس کے موافق آتا ہو خواہ نہ بالخصوص نہ بالعموم تو وہ کام ممنوع ہے' اس کو "طیرہ" کہتے ہیں اور ہر وہ چیز جو بالعموم نقصان پہنچائے' مگر اُس کی خاصیت نہ ہو' اور یہ کبھی کبھی ہو' متواتر نہ ہو' مثلاً وبا وغیرہ' تو اُس میں نہ جائے اور نہ وہاں سے باہر نکلے۔ اور ہر وہ چیز جو خاص ہو مگر عام نہ ہو' جیسے مکان اور گھوڑا' اور عورت' تو اس سے بچنا مباح ہے۔

نہایہ میں ہے کہ فال ہمزہ کے ساتھ ہر نیک و بد میں مستعمل ہے' اور طیرہ اکثر بُرائی میں' مگر نادر طور پر نیک میں مستعمل ہے۔ اور لوگ بطور تخفیف ہمزہ کو ترک کر دیا کرتے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فال کو اس لیے پسند فرمایا ہے کہ لوگ جب کسی سبب ضعیف یا سبب قوی سے فائدہ کی اُمید اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور اس کے انجام کی بھلائی کے اُمیدوار ہوتے ہیں' تو وہ لوگ خیر پر ہیں' اگرچہ اُمید کی جہت میں غلطی کر جائیں' کیونکہ اُمید رکھنا ان کے حق میں مفید ہے' لیکن جب وہ اپنی اُمید کو اور اپنی خواہشوں کو اللہ تعالیٰ سے قطع کرلیں تو یہ صفت مذموم

ہے، مگر طیرہ! تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بد ظنی اور بلاء کی توقع ہوتی ہے، تو یہ توقع عقلمندوں کے نزدیک مذموم اور شریعتِ مطہرہ میں ممنوع ہے' اور تفاول! یہ ہے کہ بیمار آدمی، یا گمشدہ شے کا متلاشی کسی دوسرے سے سن پائے کہ "اے تندرست" یا "اے پانے والے" تو اپنے تندرست ہونے یا پانے کا گمان کرے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں کلمہ طیبہ کے یہی معنی ہیں۔

نہایہ میں ہے ہے کہ طیرہ بہ معنی جنس (عام) اور فال بہ معنی نوع (خاص) وارد ہے' اسی باب میں یہ ہے کہ طیرہ سے فال زیادہ سچی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ یہ مشاکلت کی جہت سے ہو، کیونکہ طیرہ کے یقیناً لغوی معنی منحوس سمجھنا ہے، لیکن فال کا عام ہونا مسلم ہے۔ قاموس میں ہے کہ طیرہ وہ ہے جو بُری فال لے کر منحوس سمجھیں۔

اب جبکہ تم نے تطیر اور تفاول کے معنی جان لیے، تو ہم اُن حدیثوں کو بیان کرتے ہیں، جو اس باب میں مروی ہیں، تو جاننا چاہیے کہ بعض حدیثوں میں عدویٰ اور طیرہ کا ذکر یکجا وارد ہے، لہٰذا ہم ان میں سے جو حدیث کسی ایک جگہ ذکر کردیں گے، اُس کو ہم دوسری جگہ نہیں بیان کریں گے، یہی حال اُن حدیثوں کا ہے جو ہم نے صفر میں بیان کردی ہیں، البتہ ہم کسی غرض وسبب سے جو سلسلۂ کلام میں لاحق ہو جائے تو دوبارہ ذکر کردیں گے۔ اب اُن حدیثوں کا بیان شروع ہے جو "جامع الاصول" میں مروی ہیں۔

جامع الاصول کی حدیثیں

حضرت بریدہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے تطیر (بدشگونی) نہیں کرتے تھے، درآنحالیکہ آپ جب کسی عامل کو روانہ فرماتے تو اُس کا نام دریافت کرتے، اگر وہ نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور آپ کے چہرۂ انور سے اس خوشی کا اظہار ہوتا۔ اور اگر اس کا نام مکروہ (ناپسندیدہ) ہوتا تو آپ کے چہرہ سے ناپسندی کے آثار ہویدا ہو جاتے۔ اور جب آپ کسی گاؤں میں تشریف لے جاتے تو اُس کا نام دریافت فرماتے، پس اگر اچھا ہوا تو چہرۂ انور سے خوشی کا اظہار ہوتا، اور

اگر مکروہ و ناپسندیدہ ہوا تو آپ کے بشرہ سے ناگواری معلوم ہوتی۔ اُس کو ابوداؤد نے بیان کیا۔

• حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے باہر نکلتے تو اس کو پسند فرماتے کہ یہ سنیں کہ کوئی "یاراشد" یعنی نیک رو اور "یانجیح" اے پانے والے کہے۔ ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

عروہ بن عامر قرشی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے طیرہ کا ذکر آ گیا تو فرمایا اس میں جو بہتر ہے، وہ فال ہے، مسلمان کو چاہیے کہ کوئی تردد نہ کرے، پس اگر تم میں سے کوئی ناپسند کو دیکھے تو اُسے یہ کہنا چاہیے کہ اے خدا! تیرے سوا کوئی بھلائی کو نہیں لاتا، اور تیرے سوا کوئی بُرائی کو دور نہیں کرتا، تیرے سوا کسی میں کوئی قوت و طاقت نہیں۔ ابوداؤد نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا طیرہ شرک ہے، طیرہ شرک ہے اور کوئی ہم میں ایسا نہیں جو طیرہ سے خالی ہو مگر اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اسے دور فرما دیتا ہے۔ ابوداؤد نے اسے بیان کیا۔

ترمذی کی ایک روایت میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا طیرہ شرک ہے، اور کوئی ہم میں ایسا نہیں جو طیرہ سے خالی ہو لیکن اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اسے دور کر دیتا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ سلیمان بن حرب اس حدیث کے بارے میں فرماتے تھے کہ میرے خیال میں وما منا لکن اللہ یذھبہ بالتوکل حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "نہ عدویٰ ہے نہ طیرہ۔ (یعنی نہ کوئی مرض متعدی ہے اور نہ شگونی و منحوس سمجھنا ہے) اور مجھے تو فال پسند ہے۔" صحابہ نے عرض کیا فال کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ نیک کلمہ ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

اور بخاری میں اس کی مثل ہے کہ فرمایا مجھے نیک فال، اچھا کلمہ پسند ہے، اور مسلم میں اسی کی مثل ہے کہ فرمایا نیک کلمہ پسند ہے۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت بخاری کی طرح ہے۔ اور ترمذی نے پہلی روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "نہ عدویٰ ہے نہ طیرہ۔ البتہ نحوست تین (۳) چیزوں میں ہے، گھوڑے، عورت اور مکان میں۔"

ایک روایت میں راوی کا قول ہے کہ شوم یعنی نحوست کا ذکر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس صحابہ نے کیا۔ آپ نے فرمایا اگر نحوست ہو سکتی ہے، تو مکان، عورت اور گھوڑے میں۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

اور مسلم میں یوں ہے کہ عورت، گھوڑے اور مسکن میں ہے۔ صاحب موطا اور ابو داؤد و ترمذی و نسائی نے پہلی روایت کی تخریج کی اور عدویٰ اور طیرہ کا ذکر نہیں کیا۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کہیں نحوست ہو سکتی ہے تو صرف گھوڑے، عورت اور مسکن میں ہو سکتی ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی، اور موطا نے اس کی مثل بیان کیا، اور وہ اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ گھر، خادم اور گھوڑے میں ہے۔ اس کو مسلم اور نسائی نے بیان کیا۔

حکیم ابن معاویہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ نحوست نہیں ہے اور کبھی گھر، عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے، ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ طیرہ نہیں ہے، اس کا بہتر جزو فال ہے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فال کیا ہے؟ فرمایا وہ نیک کلمہ ہے جسے کوئی تم سے سن لے۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت سعد بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ عیافہ یعنی جانوروں سے فال لینا اور طیرہ اور طرق بت پرستی ہے۔ اسے ابو داؤد نے بیان کیا اور کہا کہ طرق پرندہ کا اُڑنا، اور

عیافہ لکیر کھینچنا ہے' اور اپنی شرح میں کہا کہ عیافہ پرندوں کو اُڑانا اور اُس سے شگون لینا ہے' جیسے عرب کیا کرتے تھے کہ وہ پرندوں کو اُڑا کر شگون لیتے تھے' اور طرق کنکریاں مارنا ہے اور کہا گیا ہے کہ ریتے میں لکیریں کھینچنا ہے؛ جیسے نجومی دل کی باتیں وغیرہ بتانے کے لیے کیا کرتے ہیں اور جبت (بت پرستی) ہر وہ چیز ہے جس کی خدا کے سوا پرستش کی جائے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جبت' کاہن اور شیطان کو کہتے ہیں- طیبی کا قول ہے کہ عیافہ پرندوں کا اُڑانا اور اُن کے ناموں' بولیوں اور گزرگاہوں سے شگون لینا ہے' اور عرب کے سفروں میں یہ عادت بہت تھی' وہ بولا کرتے تھے کہ عاف یعیف عیفا جب پرندوں کو اُڑائے اور اندازہ (اٹکل) اور گمان لگائے- اور طرق وہ کنکریاں مارنا ہے جس طرح عورتیں کرتی ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ریت میں لکیر کھینچنا ہے- اور جبت' جادو اور کہانت کو کہتے ہیں- اور ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا پوجی جائے- اور ایک قول جادو کا بھی ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان یہ جبت سے ہے' اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جبت کا عمل ہے اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ عربی کا نہیں ہے-

اور حضرت سعد بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ لفظ حبشی ہے اور قطرب نے کہا' جبت وہ ہے جس میں کچھ بھلائی نہ ہو-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پہلے ایک گھر میں رہتے تھے جہاں ہماری بہت گنتی تھی اور ہمارے پاس مال بہت تھا' پھر ہم نے دوسرا گھر بدل لیا تو اس میں ہماری گنتی بھی کم ہو گئی اور ہمارا مال بھی کم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو یہ بُرا ہے' اسے ابوداؤد نے بیان کیا-

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی' اُس نے عرض کیا ہمارا ایک گھر تھا جہاں ہماری تعداد بہت تھی اور بکثرت مال تھا پھر ہم نے اُسے بدل دیا' تو

تعداد بھی کم ہوگئی اور مال بھی کم ہوگیا۔ تو آپ نے فرمایا چھوڑ دو، یہ برا ہے۔ موطا نے اس کی تخریج کی۔

جامع کبیر کی حدیثیں

طیرہ (شگون) تقدیر کے ساتھ ہے، اس کو حاکم نے "مستدرک" میں بیان کیا۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ طیرہ شرک ہے۔ ترمذی، احمد اور بخاری نے "ادب" میں اور ابنِ ماجہ اور حاکم نے "مستدرک" میں روایت کی۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کہا کرتے تھے کہ شگون (طیرہ) صرف عورت، جانور اور مکان میں ہے۔ اس کو حاکم نے "مستدرک" میں اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں روایت کی۔

نحوست تین میں ہے، عورت، مکان اور جانور میں۔ اس کو ترمذی اور نسائی نے ابنِ عمر سے روایت کیا۔

اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو مکان، عورت اور گھوڑے میں ہوتی۔ اسے احمد اور بخاری نے سہل بن سعد سے اور بیہقی نے ابنِ عمر اور نسائی نے جابر سے روایت کی۔

انسان میں تین صفات ہیں، (۱) شگون لینا، (۲) بدگمانی کرنا اور (۳) حسد کرنا۔ پس طیرہ سے یوں رہائی ہے کہ اس کی طرف رجوع نہ کرے اور بدگمانی سے اس طرح کہ تحقیق کے درپے نہ ہو، اور حسد سے یوں کہ وہ ظلم نہ کرے۔

اس کو بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابنِ میصری نے "امالی" اور دیلمی نے "مسند الفردوس" میں ان لفظوں سے روایت کی کہ مومن میں تین خصلتیں ہوتی ہیں، آخر حدیث تک۔

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، جس نے شگون لیا اور نہ وہ جس کے واسطے شگون لے، اور نہ وہ جو کہانت کرے یا جس کے واسطے کہانت کی گئی، اور وہ جو جادو کرے یا جس کے لیے جادو کرائے۔ اسے عمران بن حصین سے طبرانی نے کبیر میں روایت کی۔

جو شخص شگون لے کر اپنے کام سے باز رہا، بلاشبہ اُس نے شرک کیا۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو عمرو سے روایت کی۔

طیرہ (شگون لینا) شرک ہے، جو شخص سفر کے ارادہ سے نکلے، پھر وہ شگون لے کر باز رہا۔ بے شک اُس نے کفر کیا اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم پر نازل ہوا، اُس پر عمل سے انکار کیا۔ کوئی نحوست نہیں ہے، اگر ہوتی تو گھوڑے، عورت اور مکان میں ہوتی۔ جو شخص اپنے کام سے شگون لے کر باز رہا، بلاشبہ اُس نے شرک کیا۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم! اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا یہ پڑھے، کوئی طیر نہیں سوائے تیرے طیر کے، اور کوئی بھلائی نہیں سوائے تیری بھلائی کے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ فال فرستادہ ہے اور چھینک عادل گواہ۔ کوئی بد شگون (طیرا) نہیں ہے۔ کبھی مکان، گھوڑے اور عورت میں برکت ہوتی ہے۔ اسے ترمذی اور ابنِ ماجہ نے حکیم بن معاویہ سے بیان کیا۔

اے حاضر ہونے والے! ہم تجھ سے تیرے منہ سے فال لیتے ہیں۔ ہام میں کچھ نہیں اور نظر سچی ہے۔ بہتر شگون فال ہے۔ اسے امام احمد و ترمذی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔ کوئی طیرہ نہیں، اس میں بہتر فال ہے، جو نیک کلمہ ہے، اسے تم میں سے کوئی سنے۔ اسے امام احمد و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ نہ عدوئی ہے اور نہ طیرہ، مجھے فال پسند ہے۔ اسے دار قطنی نے متفق علیہ میں روایت کیا۔

حضرت ابنِ ابی ملیکہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابنِ عباس سے عرض کیا تمہاری کیا رائے ہے کہ اپنی لونڈی کی طرف سے میرے دل میں کچھ کھٹک ہے، کیونکہ لوگوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا، اگر کچھ نحوست ہوتی ہے تو مکان، گھوڑے اور عورت میں ہوتی ہے، تو انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم سے سنی ہو، اور سختی سے انکار کر کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اُنھوں نے اس بات سے انکار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا ہو کہ کسی چیز میں نحوست ہے۔ اور فرمایا جب اس کی

طرف سے تمہارے دل میں کھٹک ہے تو اسے جدا کردو، یعنی اسے فروخت کردو، یا آزاد کردو۔ اسے ابنِ جریر نے بیان کیا۔

قتادہ نے ابو حسان سے روایت کیا کہ دو(۲) آدمی اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آئے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم نے فرمایا، نحوست عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوتی ہے۔ اس پر اُم المومنین بہت غصہ ہوئیں اور کہا: یہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ انہیں زمانۂ جاہلیت کے لوگ منحوس سمجھتے تھے۔ ابنِ جریر نے اسے بیان کیا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی خدمت میں ایک عورت آئی، اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں کہ (اس سے پہلے) بکثرت مال ہمارے پاس تھا، پھر محتاج ہوگئے اور ہم میں بُرائی آگئی اور ہم جدا جدا ہوگئے۔ آپ نے فرمایا، فروخت کردو یا چھوڑ دو، وہ بُرا ہے۔ ابنِ جریر نے اسے بیان کیا۔

جاننا چاہیے کہ اس باب میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں، لیکن جس قدر ہم نے بیان کردی ہیں، یہی بہت کافی ہیں۔ اور بعض حدیثوں سے طیرہ کے تاثیر کی نفی اور مطلقاً اس کے اعتقاد کی ممانعت سمجھی جاتی ہے۔ اور بعض حدیثوں سے اس کے موثر ہونے کا ثبوت یقینی معلوم ہوتا ہے، جیسے عورت، مکان اور جانوروں میں۔ یا تو یہ تاثیر ان میں فی الحال موجود ہوگی، یا یہ جاہلیت کے زمانہ کی باتیں ہیں۔ یا تو نفی اور نہی (ممانعت) کے معنوں میں ہے، یا شرطیہ الفاظ سے وارد ہیں، جیسے اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی۔ اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے، حالانکہ نحوست کسی چیز میں نہیں ہے۔ اگر اس کا ثابت ہونا فرض کرلیا جائے، تو صرف یہ چیزیں ہیں جہاں گمان اور مقام مانا جاسکتا ہے اور یہی مناسب بھی ہے اس لیے کہ یہ معنی اس حدیث کی بناء پر ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نے فرمایا، اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرتی تو یقیناً نظر سبقت کرتی۔ اس مقام پر قاضی نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ لاطیرہ کے

بعد شرطیہ کو لانا دلالت کرتا ہے کہ نحوست ان میں بھی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر نحوست کا کہیں وجود ہوتا تو ان چیزوں میں ہوتا، کیونکہ یہ چیزیں زیادہ اثر قبول کرنے والی ہیں، لیکن نحوست کا وجود ان میں بھی نہیں ہے، پس ثابت ہوا کہ اصلاً کسی چیز میں نحوست نہیں ہے۔۔۔ انتہیٰ۔

اُم المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس باب میں صراحت کے ساتھ نحوست کی ممانعت وارد ہے، للہٰذا ان دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ بالذات تاثیر ماننے کی ممانعت ہے، اور ہر چیز میں حقیقی موثر صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور تمام مخلوق اُسی کی ہے اور اُسی کی جانب سے تقدیر ہے، اور ان چیزوں میں نحوست کا ثابت ہونا یہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی مشیت و مرضی کے موافق ہے کہ ان میں وہ پیدا کر دے اور ان کو "اسباب عادیہ" میں سے بنایا، جیسے آگ، مثلاً کہ یہ جلانے کے لیے ہے۔ پس مخالفت بالذات تاثیر کی طرف راجع ہے، اور اثبات اُمور عادیہ کی طرف اور ان اشیاء کی خصوصیت کی حکمت علم شارع کی طرف حوالہ ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عورت میں نحوست یہ ہوتی ہے کہ اپنے شوہر کے لیے ناشزہ، بانجھ اور نافرمان ہو، یا شوہر کی نظر میں ناپسند اور بدصورت ہو۔ اور مکان میں نحوست یہ ہوتی ہے کہ وہ تنگ ہو اور اُس کے ہمسائے بُرے ہوں یا آب و ہوا خراب ہو۔ اور گھوڑے میں نحوست یہ ہوتی ہے کہ وہ سرکش ہو یا اس کی قیمت بہت ہو، یا اُس کی مصلحت کے ناموافق ہو۔ اسی طرح اور بھی کیفیتیں ہیں۔

دراصل اس سلسلہ میں اس کا استعمال ایک قسم کا مجاز ہے اور نحوست باعتبار اس ناپسندیدگی کے ہے جو ان چیزوں میں شریعت یا طبیعت کے مخالف ہو، اس کی تائید "شرح السنہ" کی یہ روایت بھی کرتی ہے، گویا کہ حضور یوں فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جس میں اُسے رہنا ناپسند ہو یا عورت ہو کہ اُس کی ہم بستری سے ناخوش ہو، یا گھوڑا ہو کہ وہ اُسے پسند نہ ہو تو چاہیے کہ اُسے جُدا کر دے۔ اس طرح پر کہ مکان سے منتقل ہو جائے۔ بیوی کو طلاق دے دے اور گھوڑے کو فروخت کر دے، تاکہ اُس کے دل کی کھٹک جو ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے، جاتی رہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

و آلہٖ وسلم نے اُس شخص کے جواب میں فرمایا جس نے عرض کیا تھا' یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم! ہم ایک ایسے مکان میں تھے جہاں ہماری تعداد بہت تھی۔۔۔ آخر حدیث تک۔ تو آپ نے فرمایا کہ اُسے چھوڑ دو' بُرا ہے۔ پس ان کو حکم دیا کہ اس سے منتقل ہو جاؤ تاکہ وہ کراہت دور ہو جائے جو پائی جاتی ہے' نہ یہ کہ اس میں نحوست ہے۔ ثابت ہوا کہ شوم اور تطیر کی ممانعت اپنے حال پر باقی ہے۔ واللہ اعلم۔

باب دوم عدویٰ کے بیان میں

ہم نے واضح حدیثیں عدویٰ کے عدم وجود' اور اس کے قائل ہونے اور اعتقاد رکھنے کی ممانعت میں پہلے بیان کر دی ہیں' صرف ایک اشکال (اعتراض) باقی رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے اس فرمان میں کہ:

فر من المجذوم کما تفر من الاسد۔ یعنی کوڑھی سے بھاگ جیسا کہ شیر سے بھاگتا ہے۔

عدویٰ کی نفی کے بعد اور اس فرمان میں کہ بیمار اُونٹ' تندرست اُونٹ میں نہ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ:

لا یورد ممرض علی مصح۔ بیماری والا تندرست کے پاس نہ جائے۔

بعد اس فرمان کے کہ "کسی کو کسی سے بیماری نہیں لگتی۔" باوجود اس کا رد فرمانے کے جبکہ ایک اعرابی نے کہا تھا' پھر یہ کیا ہے کہ اُونٹ دوڑ جھپٹ کرتا ہے' گویا کہ وہ ہرن ہے' پس ایک خارشی اونٹ آکر سب کو خارشی کر جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پہلے کو کہاں سے بیماری لگی۔ ایک روایت میں ہے کہ بدوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے خارش اُونٹ کے ہونٹ یا پٹھے میں ہوتی ہے' پھر تمام اُونٹوں میں پھیل جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا پہلے کو کہاں سے بیماری لگی۔ لا عدوی ولا ھامۃ ولا صفر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر

ایک جان کو پیدا فرمایا۔ اُسی نے اس کی زندگی، مصیبت اور رزق مقرر فرمائے۔ بلاشبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں روایتوں کو بیان کرتے ہیں، یعنی یہ کہ حضور کا فرمان لا عدوٰی اور یہ کہ لا یورد ممرض علی مصح اس کے بعد پھر لا عدوٰی کی روایت سے خاموش ہو رہے اور لا یورد الی آخرہ کی روایت پر قائم رہے۔ پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی حدیث سے انکار کیا، لوگوں نے کہا کیا آپ لا عدوٰی کی حدیث بیان نہیں فرمایا کرتے تھے؟ تو پھر وہ ایسی بات فرمانے لگے جو ناقابل فہم تھی۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ اس حدیث کے سوا کوئی اور حدیث بھولے ہوں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حارث نے کہا کہ اے ابو ہریرہ! میں تم سے اس حدیث کے ساتھ دوسری حدیث کو بھی روایت کرتے سنا کرتا تھا، اب آپ اس سے خاموش ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے لا عدوٰی۔ پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اقرار سے انکار کیا اور فرمایا لا یورد ممرض علی مصح تب انہوں نے جرح کی یہاں تک کہ وہ ناراض ہو گئے اور ناقابل فہم باتیں کرنے لگے۔ ابو سلمہ نے کہا مجھے اپنی عمر کی قسم یقیناً ابو ہریرہ ہم سے بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لا عدوٰی پس اب میں نہیں جانتا کس نے ان کو بھلا دیا، یا کس نے دونوں قولوں میں سے کسی ایک کو منسوخ کر دیا۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی روایت سے انکار کیا، تو اب یہ ثابت نہ ہوئی، تو میں جواب میں کہوں گا کہ اس سلسلہ میں اصولی بحث گزر چکی ہے، اور راوی کے انکار سے مطلقاً عدم ثبوت نہیں ہوتا اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں تب بھی لا عدوٰی کا ثبوت دوسری متعدد سندوں سے ثابت ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

پس اب تعارض عدویٰ کی نفی اور مجذوم سے فرار کے حکم کے درمیان اور یہ کہ عدویٰ کی نفی اور فرمان لا یحل یا لا یورد الیٰ آخرہ کے درمیان واقع ہوگیا، لہٰذا ہم ذکر کرتے ہیں جو علماء نے عدویٰ کی نفی اور مجذوم کے فرار کے حکم کی مطابقت میں بیان

فرمایا ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں یہی مشہور ہے۔ اسی سے دوسری حدیث کی تطبیق کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب ہم کہتے ہیں کہ کرمانی نے صحیح بخاری کی شرح میں فرمایا کہ لا عدوٰی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ بالطبع کسی کو کسی سے بیماری نہیں لگتی، لیکن جو کچھ ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اجراء عادت سے ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور نے بیمار اُونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس لے جانے کو منع فرمایا، اور فرمایا کہ کوڑھی سے بھاگ۔ الیٰ آخرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ فرار لاعدویٰ سے مستثنیٰ ہے۔

تورپشتی فرماتے ہیں کہ لا عدوٰی کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عدویٰ کی نفی اور اس کا ابطال ہے جیسا کہ ظاہر حدیث اور عدویٰ پر قرائن اور سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ اکثر کا یہی مذہب ہے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ عدویٰ کا ابطال مراد نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو اور فرمایا کہ بیمار تندرست پر نہ جائے۔ بلاشبہ اس سے اس چیز کی نفی مراد ہے جو طبیعت والے اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ امراض متعدی اور یقینی موثر ہوتے ہیں تو ان کو تنبیہہ فرمادی کہ خبردار! یہ بات نہیں ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو، بلکہ وہ مشیت الٰہی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اگر وہ چاہے تو ایسا ہو جائے اور وہ نہ چاہے تو کچھ نہ ہو۔ اس مفہوم پر یہ فرمان نبوی مشیر ہے کہ "پہلے کو کہاں سے بیماری لگی۔" یعنی اگر تمہارے خیال میں یہی بات ہے کہ بیماری کا متعدی ہونا مرض کی وجہ سے ہے اور کسی وجہ سے نہیں؟ تو پہلے کو کہاں سے لگی۔ آپ نے یہ فرما کر واضح کر دیا کہ "کوڑھی سے بھاگ" اور یہ کہ "بیمار تندرست پر نہ جائے۔" کیونکہ ان سے ملنا جلنا علت کا سبب ہے۔ پس بچنا چاہیے جس طرح ٹیڑھی دیوار اور شکستہ کشتی سے بچتے ہیں۔ پہلے گروہ نے دوسرے گروہ کے استدلال کو انہی دونوں حدیثوں سے رد کیا کہ ان دونوں میں جو ممانعت ہے، وہ تو دونوں باتوں میں کسی ایک کے اختیار کرنے والے پر شفقت کے لیے ہے کہ فی نفسہٖ اس کو علت لگ جائے، یا اونٹوں کو بیماری لگ جائے تو وہ اعتقاد کرنے لگے گا کہ عدویٰ حق ہے۔ کہا گیا ہے کہ

دوسرے قول والوں کی تاویل دونوں میں سے بہتر ہے' کیونکہ ان میں مروی حدیثوں کی مطابقت ہے۔

اب پہلے قول پر غور کیجئے تو یہ اصول طبیہ کو معطل کر دینے پر مقتضی ہے حالانکہ شریعت طبی اصول کو بیکار و معطل کرنے کے لیے نہیں آئی' بلکہ اس کے اثبات اور معتبر ہونے کے واسطے آئی ہے' اس طور پر کہ اصول توحید کے خلاف نہ ہو' اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے' اس کے ماننے پر کوئی خلاف نہیں ہوتا۔

رہا یہ استدلال کہ سیاق کلام کا قرینہ! بلاشبہ ہم ایسا پاتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نہی کو حرام اور مکروہ اور وہ جو کسی ایک پہلو سے ممنوع ہو' اور وہ جو متعدد اعتبار سے ممنوع ہو کے درمیان میں جمع کر دیتے ہیں۔ ہمارے اس قول کے صحت کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مجذوم (کوڑھی) سے جو بیعت کرنے آیا تھا' فرمایا ہم نے تیری بیعت قبول کر لی' بس اب جا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مجذوم سے جس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دست مبارک کے ساتھ ایک پیالے میں رکھا تھا' فرمایا اللہ پر بھروسہ اور توکل کر کے کھا۔ ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت سوائے اس وجہ کے کوئی نہیں ہے کہ پہلی حدیث اتلاف کے اسباب سے بچنے کو ظاہر کرتی ہے' اور دوسری حدیث' مشارکتِ اسباب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل بتاتی ہے' تاکہ پہلی حدیث کے ساتھ اسباب سے تعرض ثابت ہو اور یہ سنت ہے اور دوسری حدیث سے اسباب کا ترک ثابت ہو کہ یہ ایک حالت ہے۔

طیبی نے اس حدیث میں جو عمرو بن شرید سے مروی ہے کہا ہے کہ ثقیف کے وفد میں ایک شخص مجذوم تھا' پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے کہلا بھیجا کہ ہم نے تیری بیعت قبول فرمالی' اب چلے جاؤ۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے رخصت کا ارشاد ہے اُس شخص کے حق میں جسے توکل کا درجہ حاصل نہ ہو تاکہ وہ اسباب کی رعایت کیا کرے' کیونکہ موجودات کی ہر شے میں خاصیت اور اثر ہے' جس کو حکیم جل جلالہ نے اس میں ودیعت فرمایا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ جذام میں ایک قسم کی بو ہوتی

ہے جو اُس کے پاس زیادہ بیٹھے اور اُس کے ساتھ کھانا پینا' اُٹھنا بیٹھنا زیادہ رکھے' اُسے بیمار کر دیتی ہے باوجودیکہ متعدی امراض میں سے نہیں ہے بلکہ طبی معاملات میں سے ہے' جیسے کہ خراب چیز کھانے اور بدبودار چیز سونگھنے اور کسی ایسے مکان میں رہنے سے جس کی ہوا موافق نہ ہو' ضرر پہنچ جاتا ہے حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہیں' اور وہ چیزیں کسی کو بذاتہ نقصان پہنچانے والی نہیں' مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

حضرت شیخ امام حافظ ابن حجر عسقلانی نخبتہ الفکر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ یہ امراض بالطبع متعدی نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے بیمار کے ساتھ میل جول کو تندرست کے لیے سبب گرداناہے کہ اس کی بیماری اس حد تک تجاوز نہ کر جائے' پھر بھی یہ مرض اپنے سبب سے تخلف بھی کر جاتا ہے' جیسے اور اسباب میں ہوتا ہے' اسی طرح ابن الصلاح نے دوسروں کی اتباع میں تطبیق کی ہے' اور دونوں میں سب سے بہتر تطبیق یہ ہے کہ یوں کہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ممانعت عدویٰ میں اپنے عموم پر باقی ہے' اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ قول کہ "کسی چیز کو کوئی چیز بیماری نہیں لگاتی" صحیح ہے اور یہ بھی کہ "پہلے کو بیماری کہاں سے لگی؟" یعنی مطلب یہ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں اس مرض کو دوسرے میں پیدا کیا جیسا کہ پہلے میں پیدا کیا تھا۔ اب رہا حکم مجذوم سے فرار کا! سو یہ اسباب سے روکنے کے لیے ہے' تاکہ اگر اُس شخص کو جو مجذوم سے میل جول رکھتا ہو' اتفاق سے تقدیر الٰہی کی بناء پر ابتداءً مرض لاحق ہو جائے نہ کہ عدویٰ کی وجہ سے جس کی ممانعت ہے' تو وہ شخص یہ گمان کرنے لگے کہ اس سے میل جول کی وجہ سے یہ مرض ہوگیا' پھر وہ عدویٰ پر اعتقاد کرنے لگے۔ یہ بات نقصان کا موجب ہے' اس لیے احتراز کا حکم فرمایا؛ تاکہ مادہ ہی کٹ جائے۔ واللہ اعلم۔

یہ شرح میں شیخ کا کلام ہے اور حاشیہ میں جو شیخ سے منقول ہے اُس کے بارے میں کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مجذوم کے ساتھ کھانا' کھانا اس حیثیت پر دلالت کرتا ہے کہ آپ یقین رکھتے تھے کہ بغیر اذن الٰہی کے کچھ نہیں پہنچ سکتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے محفوظ تھے کہ اگر کوئی مکروہ بات پہنچے تو آپ ایسا

گمان کریں۔ یہ حکم بھی ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے جو اپنے دل میں صادق یقین نہیں پاتے اور وہم کرتے ہیں کہ اگر ناگوار بات پیش آئی تو دل میں خدشہ آئے گا، یہ حکم اس پر مہربانی کے لیے ہے تاکہ شرک خفی کے دریا میں ڈوبنے سے محفوظ رہے، جزاہ اللہ تعالی عن امہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی اُمت کی طرف سے بہترین صلہ عطاء فرمائے اور آپ کو وسیلہ، فضیلہ اور لواء الحمد مرحمت فرمائے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و شرف و کرم۔

یہ شیخ کی تقریر ہے، چونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج کر بحث ختم کی ہے، لہٰذا ہم نے بھی درود پر اپنے کلام کو ختم کر دیا۔ واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وحزبہ وسلم۔
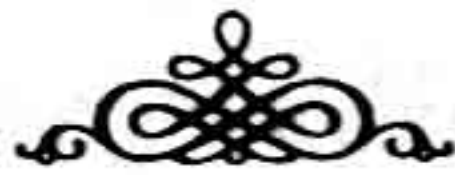
ماہِ ربیع الاوّل شریف

سب سے بہتر اور احق بات یہ ہے کہ جو کچھ اس ماہ میں ذکر کیا گیا ہے، اس میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی ولادت اور وفات اور ان کے متعلق جو احکام ہیں اُن کو پہلے بیان کیا جائے، اور ہم اس مہینہ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو خواب میں رویت و زیارت پر ختم کریں گے، پس اس کے دو باب ہیں۔

پہلا باب : ولادت کے بیان میں

واضح ہو کہ اے محب صادق! اللہ تعالیٰ نور یقین سے تمہاری تائید کرے اور تمہارے دل کو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے ذکر سے منور کرے۔

جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حمل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، تو اس حمل مبارک کی برکت سے عجیب حالات ظاہر ہوئے اور نادر واقعات رونما ہوئے جو سیر کی کتابوں میں مذکور اور حدیثوں میں وارد ہیں۔ ہم نے اُن میں سے صرف اُن پر اختصار کیا ہے جن سے اصل حال معلوم ہو سکے اور حدیثوں میں سے ہم وہی بیان کریں گے جو حدیث کی کتابوں میں معروف سندوں سے صحیح ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے توفیق ہے۔

مروی ہے کہ قریش سخت کال اور بڑی تنگی میں تھے، جب حضور حمل میں تشریف لائے تو زمین سرسبز ہوگئی، اور درخت بار آور ہوگئے اور ان کو ہر طرف سے یافت ہونے لگی۔ تو اس کا جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حمل میں تشریف لائے، کشادگی اور مسرت کا سال نام رکھا۔ اور ابنِ اسحاق کی حدیث میں ہے کہ حضرت آمنہ فرمایا کرتیں، جب حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حمل میں تشریف لائے تو میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھی کسی آنے والے نے ان سے کہا کہ اے آمنہ! بے شک تم اس اُمت کے سردار کی حاملہ ہو۔ حالانکہ مجھے خبر بھی نہ تھی کہ میں حاملہ ہوں، اور نہ کوئی گرانی پاتی، اور نہ ویسی رغبت جو حاملہ عورتوں کو ہوتی ہے البتہ حیض بند ہونے کا تعجب کرتی تھی۔ بعض حدیثوں میں مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری والدہ ماجدہ کو میرا حمل سب عورتوں سے زیادہ ثقیل تھا اور اپنی سہیلیوں سے اس ثقل کا شکوہ کرنا شروع کیا، تو میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ جو اُن کے بطن میں ہے، وہ نور ہے، آخر حدیث تک۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کو اپنے حمل میں ثقل معلوم ہوا، اور تمام حدیثوں میں ہے کہ ان کو ثقل معلوم ہی نہیں ہوا۔ حافظ ابو نعیم نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ابتدائے علوق میں تو ثقل تھا اور حمل کے بقیہ دنوں میں خفت (ہلکا پن) تھا، اور یہ دونوں حالتیں معروف عادت کے خلاف تھیں۔

ابو زکریا یحییٰ بن عائذ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں کامل نو مہینے رہے۔ نہ تو ان کو درد، مروڑ اور ریح کی شکایت ہوئی، اور نہ ان عوارضات کی جو حاملہ عورتوں کو ہوتی ہے۔ اور یہ فرمایا کرتیں، میں نے کوئی حمل نہ تو اس سے زیادہ ہلکا دیکھا، اور نہ اس سے زیادہ عظیم برکت والا۔

جب ان کے حمل کے دو مہینے گزر گئے تو آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی وفات جب ہوئی جب کہ آپ مہد (جھولے) میں تھے۔ غالب اور مشہور پہلی ہی روایت ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات مدینہ منورہ سے واپس ہوتے ہوئے

مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہوئی اور مقام ابواء میں دفن ہوئے۔

ابنِ نعیم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ کسی آنے والے نے آ کر خواب میں اُس وقت مجھ سے کہا جبکہ حمل کو چھ (۶) ماہ گزر گئے تھے کہ اے آمنہ! تم کو خیرالعالمین کا حمل ہے۔ جب تم وضع حمل کرو تو اُن کا نام محمد رکھنا اور اپنا حال پوشیدہ رکھنا۔ فرماتی ہیں، جب میری وہ حالت ہوئی جو عورتوں کو ہوتی ہے، اور اُنہوں نے وہ عجیب و غریب باتیں بیان کیں جو اُنہوں نے دیکھی تھیں مثلاً اُن پرندوں کا دیکھنا جن کی چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے، اور اُن مردوں اور عورتوں کو ہوا میں دیکھنا جن کے ہاتھوں میں چاندی کی چھاگل تھی (فرماتی ہیں) اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردے اُٹھا دیئے تو میں نے مشارقِ ارض اور مغارب زمین کو دیکھ لیا اور تین (۳) جھنڈے گڑے ہوئے دیکھے۔ ایک جھنڈا مشرق میں، اور ایک جھنڈا مغرب میں اور ایک جھنڈا کعبہ کی چھت پر۔ اُس وقت مجھے درد زہ ہوا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت ہوئی تو میں نے آپ کی طرف نظر کی، تو آپ کو سجدہ میں دیکھا، درآنحالیکہ آپ اپنی انگلیاں آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے تھے جس طرح کوئی عاجز زار زار روتا ہے۔

پھر میں نے ایک سفید ابر دیکھا کہ آسمان کی طرف سے آیا، یہاں تک کہ اُس نے آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ مجھ سے غائب ہو گئے۔ اُس وقت ایک منادی سے سنا کہ وہ پکارتا تھا، آپ کو زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کراؤ، اور آپ کو سمندروں میں لے جاؤ تاکہ وہ آپ کے اسم مبارک، آپ کی نعت و صفت اور آپ کی صورت کو پہچانیں اور جان لیں کہ آپ کا اسم مبارک "ماحی" ہے، اب شرک میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا، مگر آپ کے زمانہ میں محو ہو جائے گا، پھر سرعت کے ساتھ وہ ابر آپ سے ہٹ گیا۔

محمد بن سعد ایک جماعت کی حدیث میں سے جن میں عطاء اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ بنت وہب فرماتی ہیں کہ جب آپ مجھ سے جدا ہوئے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کے ساتھ

ایسا نور نکلا جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا، پھر اپنے ہاتھوں کا سہارا لے کر زمین پر آئے، پھر ایک مٹھی مٹی اُٹھائی اور اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا۔ طبرانی روایت کرتے ہیں کہ آپ جب زمین پر تشریف لائے تو انگلیاں بند کئے ہوئے، انگشت شہادت سے سبحان اللہ پڑھنے والوں کی طرح اشارہ کرتے ہوئے تشریف لائے۔

امام احمد، بزار، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے عرباض بن ساریہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ نبیوں کا ختم کرنے والا تھا، جبکہ حضرت آدم ابھی اپنے خمیر میں تھے، اور بہت جلد تمہیں اس کی خبر دوں گا، یعنی اپنے والد حضرت ابراہیم کی دعوت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا وہ خواب جو اُنھوں نے دیکھا، اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی مائیں دیکھا کرتی ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی والدہ نے بوقت ولادت ایک ایسے نور کو دیکھا جس سے شام کے محل نظر آ گئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح بتایا ہے اس کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔ اور اسی کی طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے شعر میں اشارہ کیا، چنانچہ فرمایا ہے (ترجمہ) آپ جب تولد ہوئے تو زمین روشن ہو گئی، اور آپ کے نور سے آسمان کے کنارے چمکنے لگے، پس ہم اس روشنی نور میں ہدایت کا رستہ چلتے ہیں۔ اور نور کے ساتھ شام کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ شام آپ کا دارالملک ہے جیسا کہ کعب نے بیان کیا کہ کتب سابقہ میں ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی ولادت مکہ میں اور آپ کی ہجرت یثرب[1] (مدینہ طیبہ) میں اور آپ کا ملک شام میں ہے۔ اسی وجہ سے شب معراج آپ کو شام کی طرف بیت المقدس تک لے جایا گیا، جیسا کہ آپ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت فرمائی تھی اور شام ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور وہی خطہ حشر و نشر کا مقام ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ شام لازم کر لو، کیونکہ وہ اللہ کو اپنی زمین میں پسندیدہ ہے، اور اللہ کے برگزیدہ بندے اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

---

[1] اب یثرب کہنے کی ممانعت وارد ہے، اب طیبہ کہا جائے۔ (۱۲ رضوی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت کے عجائبات میں سے یہ ہے جسے بیہقی اور ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی مکہ مکرمہ میں تجارت کے واسطے رہتا تھا، جب وہ رات آئی جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم تولد ہوئے تو اُس یہودی نے کہا اے گروہ یہود اُس احمد کا ستارہ چمکا جو اس رات تولد ہو گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا تھا، پس جب وہ رات آئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم تولد ہوئے، تو اُس یہودی نے کہا، جماعت قریش! کیا تم میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں خبر نہیں۔ یہودی نے کہا تلاش کرو، کیونکہ اس رات میں اُس اُمت کا نبی جس کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان ہے، پیدا ہو گیا، چنانچہ قریش گئے اور دریافت کیا، اُن سے کسی نے کہا عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند ہوا ہے، پھر وہ یہودی اُن کے ساتھ آپ کی والدہ کے پاس پہنچا، اُنہوں نے آپ کی زیارت کرا دی۔ جس وقت یہودی نے وہ نشان دیکھا، تو وہ غش کھا کر گر پڑا اور کہا: اے جماعت قریش! بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ خدا کی قسم! اب تم کو بڑا ہی غلبہ حاصل ہو گا، اس کی خبر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی۔ اس کو یعقوب بن سفیان نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا، جیسا کہ فتح الباری میں مروی ہے۔

اور آپ کی ولادت کے عجائبات میں سے یہ بھی مروی ہے کہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے، اور بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا، اور فارس کی وہ آگ جو ایک ہزار برس سے جل رہی تھی، بجھ گئی۔ اس کو بہت لوگوں نے روایت کیا ہے اور یہ مشہور ہے کہ چودہ (۱۴) کنگرے گرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس گنتی کے مطابق بادشاہ ہوں گے۔ چنانچہ چار (۴) سال کے عرصہ میں دس (۱۰) بادشاہ ہوئے اور بقیہ خلافت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تک بادشاہ ہوئے۔ یہ مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔ اُس سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ آسمان کی حفاظت شہاب سے زیادہ ہونے لگی اور شیاطین کی کمین گاہیں قطع ہو گئیں اور ان کو چوری چھپے باتیں سننے کی ممانعت کر دی گئی، اور یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے، اور

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ابنِ عساکر سے مروی ہے، اور طبری نے "اوسط" میں اور ابو نعیم، خطیب اور ابنِ عساکر نے متعدد سندوں کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میرے رب کی طرف سے میری بزرگی یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور کسی نے میری شرمگاہ نہ دیکھی، اس کی تصحیح مختارہ میں بھی ہے۔ حاکم نے "مستدرک" میں کہا متواتر حدیثوں میں ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے غالباً تواتر حدیث سے ان کی مراد کتب سیر میں بکثرت اور مشہور ہونا ہو، نہ کہ ائمہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق طریق سند مراد ہے، حالانکہ بعض نے اسے ضعیف بھی بتایا ہے، اس کی تصریح ابنِ قیم نے کی ہے، پھر کہا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت میں سے نہیں ہے، کیونکہ بہت سے لوگ مختون پیدا ہوتے ہیں۔ ابنِ ورید کی "وشاح" میں ہے کہ ابنِ کلبی نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مختون خلق فرمایا اور ان کے بعد بارہ (۱۲) نبی مختون پیدا ہوئے، اُن میں سے آخری نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ ایک قولِ ضعیف یہ ہے کہ آپ کی ختنہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے ساتویں دن کی تھی، اور اس تقریب میں ضیافت کر کے آپ کا اسم مبارک محمد رکھا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل نے بوقت انشراح صدر آپ کی ختنہ کی۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ قولِ منکر ہے۔

فائدہ: واضح ہو کہ ختنہ یہ ہے کہ لڑکے کے آلہ تناسل کے سرے پر زائد کھال جو حشفہ پر ڈھکی ہوتی ہے، کاٹ دی جائے، اور عورت کی وہ کھال جو شرم گاہ کے اُوپر کے حصہ میں زائد ہو، کاٹ دی جائے۔ مرد کی ختنہ کا نام اعذار (عین مہملہ اور ذال معجمہ اور رائے مہملہ) ہے، اور عورت کی ختنہ کا نام خفض (خائے معجمہ اور فاو ضاد معجمہ) ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے، واجب نہیں ہے۔ یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور کچھ اصحاب شافعی کا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اس کے وجوب کا ہے، اور یہی مقتضی مالکیوں میں سے سحنون کے قول کا ہے اور یہ کہ امام شافعی مردوں میں ختنہ کے

وجوب کے قائل ہیں اور عورتوں میں سنت کے۔ اور جو اس کی سنت کے قائل ہیں، اُن کی دلیل ابوملیح بن اُسامہ کی حدیث ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "مردوں کے لیے ختنہ سنت ہے اور عورتوں کے لیے فضیلت ہے۔ اسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے بیان کیا۔ اور وجوب کے قائلین نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس حدیث میں سنت سے مراد واجب کا خلاف نہیں ہے، بلکہ سنت سے مراد طریقہ ہے، اور اس کے وجوب پر اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔ یعنی یکسو ہو کر دین ابراہیم کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ اُنھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسّی (۸۰) سال کی عمر میں قدوھم (بسولہ) سے ختنہ کیا اور ابوداؤد کی اس روایت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور کا ارشاد تھا کہ جو مرد اسلام لائے، اپنے اوپر سے کفر کے نشان دور کردے اور ختنہ کرالے۔

قفال (شافعی) اس کے وجوب پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ قلفہ (وہ کھال جو حشفہ کے اُوپر ہو) اس کے باقی رکھنے سے نجاست کا احتباس ہوتا ہے، جو نماز کی صحت کے لیے مانع ہے، لہٰذا اس کا کاٹنا واجب ہے۔

ختنہ کرانے کے وقتوں میں علماء کا اختلاف ہے۔ وجوب کے قائلین تو بعد بلوغ اس کے واجب ہونے کے وقت کے قائل ہیں، اس لیے کہ بلوغ محل وجوب ہے۔ اور بعض شوافع کہتے ہیں کہ بچہ کے ولی پر واجب ہے کہ بلوغ سے پہلے ختنہ کرائیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے جو اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں، اُن کے نزدیک قبل بلوغ اس کا وقت ہے اس لیے کہ شرم گاہ کی پردہ پوشی واجب ہے، لہٰذا سنت کے لیے وجوب کا ترک نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالی اعلم۔

سال و تاریخِ ولادت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی ولادت کے سال میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء "عام الفیل" کہتے ہیں اور یہی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اور بعض علماء اس کو متفق علیہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو اس کے خلاف قول ہے، وہ وہم ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ "عام الفیل" کے پچاس (۵۰) دن بعد پیدا ہوئے اور یہی مذہب سہیلی اور ان کی جماعت کا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ "عام الفیل" کے پچیس (۲۵) دن بعد پیدا ہوئے، اس کو دمیاطی نے آخرین میں بیان کیا۔ اسی طرح ولادت کے مہینہ میں بھی اختلاف ہے، مشہور ربیع الاوّل ہی ہے، یہی قول جمہور علماء کا ہے اور ابنِ جوزی نے اسے متفق علیہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح مہینہ میں سے کون سے دن پیدا ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ کوئی تاریخ معین نہیں صرف اتنا ہی ہے کہ ربیع الاوّل کے کسی پیر کے دن پیدا ہوئے۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تاریخ معین ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ربیع الاوّل کی دوسری تاریخ ہے، اور ایک یہ کہ آٹھ تاریخ ہے، شیخ قطب الدین قسطلانی فرماتے ہیں کہ اکثر محدثین کے نزدیک یہی قولِ مختار ہے۔ حضرت ابنِ عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ یہی قول اکثر لوگوں کے نزدیک مختار ہے جو اس حال کے جاننے والے ہیں اور اسی کو حمیدی اور ان کے شیخ ابنِ حزم نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر قضاعی نے "عیون المعارف" میں اہلِ سیر کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور زہری نے محمد بن جبیر ابنِ مطعم سے یہی روایت کی ہے۔ یہ محمد بن جبیر نسب کے اور ایام عرب کے حالات کے جاننے والے ہیں۔ اور قول یہ ہے کہ دسویں (۱۰) تاریخ ہے اور یہ کہ بارہویں (۱۲) تاریخ ہے، اور یہی مشہور ہے۔ اسی پر اہلِ مکہ کا عمل ہے کہ اسی تاریخ کو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں۔

طیبی فرماتے ہیں کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ بارہ (۱۲) ربیع الاوّل کو پیر

کے دن پیدا ہوئے، انتھی۔ طیبی کے اس اتفاق کے فرمانے پر ہمیں کلام ہے جیسا کہ ہم نے ابھی اُوپر بیان کیا۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ کس وقت پیدا ہوئے، مگر مشہور اتنا ہی ہے کہ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ قتادہ انصاری سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ فرمایا، یہ وہ دن ہے جس میں، میں پیدا ہوا، اور اسی دن اظہار نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ اسے مسلم نے بیان کیا۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آپ دن میں پیدا ہوئے اور مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ فرمایا آپ پیر کے دن پیدا ہوئے اور اسی دن نبوت کا اظہار فرمایا اور اسی دن آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور پیر ہی کے دن حجر اسود اُٹھایا، انتھی۔ اسی طرح مکہ کی فتح اور سورۃ مائدہ کا نزول پیر کے دن ہوا۔ بے شک یہ مروی ہے کہ آپ طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ مرالظہران میں عیص نامی شامی راہب تھا، وہ کہتا تھا کہ اے مکہ والو! تم میں ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جس کا دین سارا عرب قبول کرے گا اور وہ عجم کا مالک ہوگا، اُس کی پیدائش کا یہی زمانہ ہے۔ پس وہ راہب مکہ میں جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو وہ اُس کا حال دریافت کرتا، جب وہ صبح آئی جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت عبدالمطلب، عیص کے پاس پہنچے۔ آپ نے اُسے بلایا، پھر اُس نے جھانکا، اس وقت عیص نے آپ سے کہا، تم اس فرزند کے مربی ہو جاؤ، یقیناً تم میں وہی فرزند پیدا ہو گیا ہے جس کی بابت تم سے کہا کرتا تھا کہ پیر کے دن پیدا ہوگا، اور پیر ہی کے دن نبوت کا اظہار کرے گا اور پیر ہی کے دن وفات ہوگی۔ تب آپ نے کہا: میرے یہاں آج شب کی صبح کو فرزند پیدا ہوا ہے۔ راہب نے پوچھا، تم نے اُس کا کیا نام رکھا؟ فرمایا محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) راہب نے کہا: اے گھر والو! خدا کی قسم! میری یہی خواہش تھی کہ یہ فرزند تمہارے یہاں پیدا ہو۔ تین (۳) خصلتیں ہیں جن کو میں جانتا ہوں سو وہ اُنہی خصلتوں پر پیدا ہوا ہے۔ ایک (۱) یہ کہ اس کا ستارہ شب گزشتہ طلوع ہوا، دوسرے (۲) یہ کہ وہ آج کے دن پیدا ہوا، تیسرے (۳) یہ کہ اُس کا نام محمد ہو۔ اس روایت کو ابو جعفر بن ابی شیبہ نے بیان کیا۔ اور ابو نعیم دلائل میں اُس

سند کے ساتھ لائے ہیں جس میں ضعف ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش طلوعِ غفر کے وقت ہے۔ غفر چھوٹے چھوٹے تین (۳) ستارے ہیں جو چاند کی منزل ہے، نبیوں کی پیدائش کا یہی وقت ہے۔ اور اس کے مطابق مہینوں میں سے نیساں تھا، وہ برج حمل ہے، اور اس مہینہ کی بیسویں تاریخ تھی۔ اور کسی نے کہا کہ رات کو پیدا ہوئے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث گزر چکی۔ شیخ بدر الدین زرکشی نے کہا کہ صحیح یہی بات ہے کہ آپ کی پیدائش دن میں ہوئی لیکن وہ جو ستاروں کا گرنا مروی ہے تو اس کی ابن وحید نے تضعیف کی ہے، کیونکہ یہ تو رات کو ہوتا ہے۔ کہا کہ یہ وجہ بیان کرنا صحیح نہیں، کیونکہ نبوت کے زمانہ میں خوارق ہوا ہی کرتے ہیں، لہٰذا جائز ہے کہ ستارے دن میں ہی ٹوٹے ہوں، انتہٰی۔

بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ ممکن ہے رات کے وقت تو ستارے ٹوٹے ہوں اور اس کی صبح کے وقت آپ کی پیدائش ہوئی ہو۔ اور ان کے اس قول کی نسبت کہ "بوقت ولادت شہاب گرے۔" اس کے بھی یہی معنی ہوں۔ اس کے بعد اگر ہم یہ کہیں کہ وہ رات جس میں آپ پیدا ہوئے ہیں لیلتہ القدر سے بلاشبہ افضل ہے، اس لیے کہ یہ رات تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رات ہے اور لیلتہ القدر حضور کو عطا ہوئی ہے، اور جو چیز کہ ذات شریف کے ظہور کے سبب سے مشرف ہو، وہ اُس چیز سے زیادہ مشرف ہوگی، جو ان کو عطا ہونے سے مشرف بنی ہو۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لیلتہ القدر تو اس لیے مشرف ہے کہ اُس رات فرشتے اُترتے ہیں، اور پیدائش کی رات میں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور کی شرافت ہے۔ اور اس لیے بھی کہ لیلتہ القدر کی فضیلت تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت پر ہے، اور پیدائش کی رات کی فضیلت تو ساری کائنات پر ہے، کیونکہ آپ کی وہ ذات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کے لیے رحمت بنایا اور اسی ذات مقدسہ کے صدقہ میں ہی تو زمین و آسمان کی تمام مخلوقات پر اللہ کی نعمتیں عام ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعت کا بیان

آپ کو ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ نے دودھ پلایا اور ثویبہ اُس وقت آزاد ہوئی تھی جب اُس نے ابولہب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ ابولہب کے مرنے کے بعد کسی نے اُس کو خواب میں دیکھا، اُس سے پوچھا، تیرا کیا حال ہے؟ ابولہب نے کہا آگ (جہنم) میں ہوں، مگر اتنا ہے کہ ہر پیر کی رات کو مجھ پر کچھ تخفیف ہو جاتی ہے اور دونوں انگلیوں سے کچھ پانی پی لیتا ہوں، اور اپنی اُن دونوں انگلیوں کی طرف اشارہ کیا جن کے اشارہ سے ثویبہ باندی کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنانے پر آزاد کیا تھا، پھر اُس نے دودھ پلایا تھا۔ ابنِ جوزی کہتے ہیں کہ جبکہ اُس ابولہب کافر کو جس کی مذمت قرآن میں آئی، اس خوشی کا یہ صلہ ملا جو اُس نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش پر مسرت کا اظہار کیا تھا، تو اُس مسلمان کا کیا حال ہو گا، جو آپ کی اُمت میں ہو کر آپ کی پیدائش کی خوشی کرتے ہیں، اور آپ کی محبت میں جتنا ہو سکتا ہے خرچ کرتے ہیں۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! یقیناً خدائے کریم کی طرف سے اُس کی یہی جزا ہو گی کہ وہ اپنے عام فضل و کرم سے جنت کے باغوں میں داخل فرمائے گا۔ اور ہمیشہ سے ہی مسلمان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت کے مہینہ میں محفلیں (میلاد کی) کرتے ہیں اور کھانے (شیرینی وغیرہ) پکا کر اس مہینہ کی راتوں میں طرح طرح کے تحفہ جات خوب تقسیم کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر اس عمل کی برکت سے ہر قسم کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس محفل میلاد کے خصوصی مجربات میں سے یہ ہے کہ وہ سال بھر تک امان پاتے ہیں اور حاجت روائی، مقصود بر آری کی بڑی بشارت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اُس شخص پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے جس نے میلاد مبارک کے دن کو عید بنایا، تاکہ جس کے دل میں روگ اور عناد ہے وہ اس میں اور سخت ہو۔ بے شک ابن الحاج نے "مدخل" میں اس پر بڑا ہی انکار کیا ہے، یہ جو لوگوں نے بدعتیں، خواہشیں اور میلاد شریف کے وقت

حرام مزامیر کے ساتھ گانا بجانا مقرر کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو نیک نیتی کا ثواب دے اور ہمیں سنت کی راہ پر چلائے۔ وہی ہمیں کافی کتنا اچھا مددگار ہے۔ اس کے بعد حلیمہ سعدیہ دودھ پلانے کی سعادت سے مشرف ہوئیں، چنانچہ طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں بنی سعد کے ساتھ مکہ گئی، چونکہ اس خشک سالی کے زمانہ میں ہم دودھ پلانے کے لیے کسی بچہ کو تلاش کرتے تھے، پس میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر آئی اور میرے ساتھ بچہ تھا، اور ہمارے پاس ایک بڑی اونٹنی تھی۔ ہمارا حال یہ تھا کہ نہ تو میں اپنی چھاتی میں اتنا دودھ پاتی تھی کہ اس بچہ کو سیر کر سکوں، اور نہ اس بڑی اونٹنی میں اتنا دودھ تھا کہ اس سے بچہ کو سیر کرا سکیں، پھر خدا کی قسم! ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو، مگر ان سب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو یتیم ہے، پھر خدا کی قسم! میری ساتھیوں میں سے میرے سوا کوئی عورت باقی نہیں رہی، سب ہی کو دودھ پلانے کے لیے بچے مل گئے، چار وناچار جب مجھ کو ان کے سوا کوئی نہ ملا، تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: خدا کی قسم! میں اس کو پسند نہیں کرتی کہ میں اپنی ساتھیوں کے ساتھ اس حال میں واپس جاؤں کہ میرے پاس کوئی رضیع (دودھ پینے والا بچہ) نہ ہو۔ اب میں اُسی یتیم بچہ کے یہاں جاتی ہوں اور اُسی کو لے لیتی ہوں! چنانچہ میں گئی۔ جب میں نے دیکھا، تو دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، اور ان کے بدن سے مشک (کستوری) کی خوشبوئیں لپٹیں مار رہی تھیں، اور ان کے نیچے سبز حریر کا بستر تھا، جس پر چت لیٹے ہوئے سو رہے تھے۔ میری محبت نے اُن کا حسن و جمال دیکھ کر مناسب نہ جانا کہ ان کو بیدار کروں۔ پس آہستہ ان کے پاس پہنچی اور دونوں ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیئے (کہ اُٹھاؤں) تو اُنھوں نے ہنستے ہوئے تبسم فرمایا اور اپنی دونوں آنکھیں کھول کر میری طرف نظر فرمائی۔ اُس وقت اُن کی آنکھوں سے ایک نور نکلا، یہاں تک کہ اُس نے آسمان کے درمیان فضا کو بھر دیا، اور میں دیکھتی رہی۔ پھر میں نے اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، اور اُن کو اپنا داہنا پستان پیش کیا، اُنھوں نے جتنا دودھ چاہا پیا، میں نے بایاں پستان پیش کیا تو وہ نہ لیا۔ بعد کو بھی ان کا یہی حال رہا۔ علماء فرماتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دے دیا تھا کہ آپ کا دودھ شریک ہے تو اللہ تعالیٰ نے عدل کا الہام فرمایا۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ وہ بھی سیر ہو گئے اور اُن کا دودھ شریک بھائی بھی شکم سیر ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اُن کو لے لیا اور اپنی قیام گاہ پر لے آئی اور میرا شوہر اُس اونٹنی کے پاس کھڑا ہوا کیا دیکھتا ہے کہ وہ دودھ کے بوجھ سے دبی جا رہی ہے، تو اس نے اُسے دوہا، پھر خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا یہاں تک کہ ہم سیر ہو گئے اور رات چین سے گزاری۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب لوگ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے تو میں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ سے رخصت ہوئی، پھر اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میرے ہاتھوں میں تھے۔ فرماتی ہیں، میں نے گدھی کو دیکھا کہ اُس نے کعبہ کی طرف تین مرتبہ سجدہ کیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا پھر چلنے لگی، یہاں تک کہ لوگوں کی اُن سواریوں سے جو آگے نکل گئی تھیں، میں اُن سے آگے بڑھ گئی۔ اور ساتھی عورتیں تعجب سے کہتی تھیں، اس کی بہت بڑی شان ہے۔ پھر ہم بنی سعد کے گھروں میں پہنچے اور میں نہیں جانتی تھی کہ اللہ کی کوئی زمین اس سے زیادہ خشک (قحط زدہ) ہو گی، مگر اب ہماری بکریاں جب سے کہ ہم حضور کو لائے، صبح کے وقت دودھ سے پُر ہوتی تھیں۔ سو ہم دودھ دوہتے اور ہم سب پیتے اور کوئی انسان دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دوہتا تھا اور نہ تھنوں میں دودھ پاتے تھے، یہاں تک کہ میری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے تھے کہ جس جگہ بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں، وہیں تم بھی چرایا کرو، مگر پھر بھی اُن کی بکریاں صبح کو بھوکی ہوتیں اور ایک قطرہ دودھ نہیں دیتی تھیں، حالانکہ میری بکریاں شکم سیر اور دودھ سے پُر ہوتی تھیں۔ حضرت حلیمہ ہمیشہ اسی طرح خیر و برکت اور آپ کی برکت سے خوبیاں حاصل کرتی رہیں اور فائق رہیں۔ شعر (ترجمہ) حضرت حلیمہ ہاشمیوں میں جا کر اس بلند مرتبہ کو پہنچ گئیں جو عزت و بزرگی کے کنگرے سے برتر ہے، اُن کے مویشی بڑھ گئے اور ان کا گھر ترو تازہ ہو گیا۔ بے شک یہ سعد (حلیمہ سعدیہ) ہر بنی سعد سے بزرگ ہو گئیں۔

ابن جوزی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ محمد بن معلیٰ ازدی کی کتاب ترقیص

میں حضرت دائی حلیمہ کے اس شعر میں دیکھا ہے جس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوریاں دیا کرتی تھیں۔ شعر (ترجمہ) اے خدا! جب آپ کو تو نے دیا ہے، تو آپ کو باقی رکھ اور آپ کو بلند درجہ پہنچا اور ترقی مرحمت فرما، اور آپ کی برکت سے باطل دشمنوں کو ذلیل کر دے۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی رضاعی بہن شیما نامی جب وہ آپ کو گود میں لیتیں اور کھلاتیں تو کہتیں (ترجمہ) یہ میرا وہ بھائی ہے جس کو نہ تو میری ماں نے جنا اور نہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہے، میں آپ پر اپنے ماموں اور چچا کو قربان کرتی ہوں۔ پس اے خدا! تو ان کی نشو و نما کر، جیسا تو کیا کرتا ہے۔

بیہقی، صابونی، خطیب اور ابن عساکر وغیرہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کی نبوت کی نشانیوں نے مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی، میں نے آپ کو مہد (جھولے) میں دیکھا کہ آپ چاند سے باتیں کرتے اور جدھر آپ انگلی اٹھاتے، چاند اُدھر ہی اشاروں پر چلتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: چاند مجھ سے باتیں کرتا اور میں اُس سے باتیں کرتا، اور وہ مجھے رونے سے بہلایا کرتا تھا اور میں اُس کے گرنے کی آواز سنتا کہ وہ عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا تھا۔ صابونی نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور متن معجزات میں حسن ہے۔

(عربی میں) "مناغاہ" اور "محادثہ" اس کو کہتے ہیں کہ جب محبت و شفقت کے ساتھ ماں اپنے بچہ کو باتیں وغیرہ کر کے بہلائے۔

بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جب میں نے دودھ چھڑایا، تو سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا یہ ہے کہ اللہ اکبر کبیرا الحمدللہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ واصیلا پھر جب آپ کی عمر شریف کچھ زیادہ ہوئی تو آپ باہر جانے لگے، اور بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو علیحدہ ہو جاتے۔ (آخر حدیث تک)--- اور انہی سے مروی ہے کہ حضرت حلیمہ آپ کو تنہا نہ چھوڑتی

تھیں کہ کہیں ان کی غفلت میں آپ دور تشریف نہ لے جائیں۔ ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن "شیما" نامی کے ساتھ دوپہر کے وقت مویشوں کی طرف چلے گئے، وہیں حلیمہ سعدیہ تلاش کرتی پہنچیں، یہاں تک کہ آپ کو اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دیکھا، انہوں نے کہا آپ اتنی گرمی میں باہر تشریف لے آئے؟ تو آپ کی رضاعی بہن نے جواب دیا کہ اماں جان! میرے بھائی نے گرمی نہیں پائی، کیونکہ میں نے دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ کر رہا تھا، جب آپ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب چلتے تو وہ بھی چلتا یہاں تک کہ اس جگہ آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشوونما (بڑھوتری) اتنی زیادہ تھی کہ دوسرے بچے اتنا نہیں بڑھتے تھے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے آپ کا دودھ چھڑایا تو میں آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس آپ کو لائی، حالانکہ میں اس کی بہت خواہش مند تھی کہ آپ ہمارے پاس مزید قیام فرمائیں، چونکہ ہم نے آپ کی بڑی برکتیں دیکھی تھیں، چنانچہ ہم آپ کی والدہ ماجدہ سے برابر کہتے رہے کہ ہمیں مکہ کی وباء کا آپ پر اثر ہونے کا خوف ہے۔ ہم برابر یہی کہتے رہے، مجبوراً انہوں نے پھر ہمارے ساتھ کر دیا، اور ہم آپ کو گھر لے کر واپس آ گئے۔ خدا کی قسم! واپس آنے کے دو (۲) یا تین (۳) مہینے بعد کا ذکر ہے کہ آپ رضاعی بہن کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے مویشیوں میں تھے، اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑا آیا اور کہا کہ میرے اس قریشی بھائی کو دو مرد سفید پوش آئے اور (آخر حدیث تک) شق صدر کا واقعہ بیان کیا، چنانچہ ہم اس واقعہ سے خوفزدہ ہو کر کہ کہیں آپ کی والدہ کو اس کی خبر نہ ہو جائے، آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کی طرف لے کر چلے، اور اُن سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپ کی والدہ نے فرمایا، کیا تم اس سے خوفزدہ ہو کہ ان پر شیطان کا اثر ہوا ہے؟ خدا کی قسم! ہرگز نہیں! شیطان آپ پر قابو پا سکتا ہی نہیں، یہ تو میرے فرزند کی نرالی شان ہے۔

شق صدر

فائدہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارکہ کے شق شریف ہونے اور آپ کے قلب اطہر کے غسل کرانے کا واقعہ چار (۴) مرتبہ ہوا ہے، پہلی مرتبہ جبکہ آپ قبیلہ بنی سعد میں حضرت حلیمہ کے مویشیوں میں صغرالسن تھے۔ اور دوسری (۲) مرتبہ جبکہ آپ دس (۱۰) سال کے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، امر نبوت کی یہ میری پہلی ابتداء تھی اور اُس وقت آپ جنگل میں تھے۔ اور تیسری (۳) بار بعثت کے وقت پیش آیا جبکہ آپ نے نذر مانی تھی کہ حضرت خدیجہ کے ساتھ ایک مہینہ کا اعتکاف کریں گے، اتفاق سے وہ مہینہ رمضان کا تھا، اور بعض کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے، ایک رات جب آپ باہر تشریف لائے تو سنا کہ کسی نے کہا السلام علیک فرماتے ہیں اُس وقت میں نے گمان کیا کہ شاید یہ جن کی جھلک ہے، جلدی سے میں خدیجہ کے پاس آیا، اُنہوں نے عرض کیا، آپ کا کیا حال ہے؟ میں نے اُنہیں واقعہ سنایا، تب اُنہوں نے کہا کہ مژدہ ہو کہ سلام تو اچھائی ہے، پھر جب میں دوسری مرتبہ باہر آیا تو دیکھا کہ سورج پر جبریل ہیں اور اُن کا ایک پر مشرق میں ہے، دوسرا مغرب میں--- آخر حدیث تک۔ چوتھی (۴) مرتبہ (شق صدر) شب معراج ہوا، اور پانچویں مرتبہ کی بھی ایک روایت ہے جو ثابت نہیں ہے۔ ہم نے اس کی تحقیق میں ایک علیحدہ مستقل رسالہ لکھا ہے۔ وللہ الحمد۔

اس باب میں مختلف سندوں کے ساتھ جو حدیثیں مروی ہیں، اُن میں ہے کہ آب زمزم اور سونے کے طشت میں غسل ہوا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آب زمزم جنت کے پانی سے زیادہ افضل اور پاکیزہ ہے، ورنہ جنت کے پانی سے ہی غسل دیا جاتا، اور یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپ کے قلب شریف کو جو طشت میں غسل دیا گیا ہے، کیا یہ آپ کے ساتھ خاص تھا یا آپ کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوا؟ تو

جواب دیا گیا کہ تابوت اور سکینہ کی حدیث میں وارد ہے کہ تابوت میں ایک طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو غسل دیا گیا تھا۔ طبرانی میں یہ مذکور ہے اور اس کو عماد بن کثیر نے اپنی تفسیر میں بروایت سدی جوابی مالک، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، بیان کیا ہے۔ اور ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔

اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم چار سال کو پہنچے، ایک روایت میں پانچ سال، ایک روایت میں چھ، سات اور نو سال مروی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ(۱۲) سال ایک مہینہ دس دن کے تھے تو مقام ابواء میں آپ کی والدہ ماجدہ نے وفات پائی اور کہا گیا کہ حجون میں وفات پائی۔ قاموس میں ہے کہ دار نابغہ جو مکہ میں ہے، وہاں حضرت آمنہ والدۂ ماجدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدفون ہیں۔ اور ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم چھ(٦) سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر ماموں وغیرہ قبیلہ بنی عدی بن نجار سے ملنے مدینہ طیبہ گئیں، اُن سے مل کر پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئیں تو مقام ابواء میں اُن کی وفات ہو گئی۔

مروی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد وفات، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائیں۔ طبرانی نے سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور نے مقام حجون پر جس قدر مشیت الٰہی تھی، بعنایت قیام فرمایا۔ اس کے بعد خوشی کے ساتھ مراجعت فرمائی۔ فرمایا میں نے اپنے رب سے عرض کیا، تو اُس نے میری والدہ کو دوبارہ زندہ کیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر فوت ہو گئیں اور ابو حفص بن شاہین نے اپنی کتاب "ناسخ و منسوخ" میں ایسا ہی بیان کیا۔

اسی طرح یہ بھی حضرت عائشہ سے حدیثیں مروی ہیں کہ آپ کے والدین زندہ کئے گئے، پھر وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس کو سہیلی نے اور ایسے ہی خطیب نے بیان کیا۔ سہیلی کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں کچھ مجہول الحال راوی ہیں، اور ابن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث سخت منکر ہے اور کل سند مجہول ہے۔ اور بعض علماء یہ یقین رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین شریفین دونوں ناجی ہیں، اور دوزخی

نہیں ہیں۔ اور آپ کے والدین شریفین کے سلسلہ میں کلام طویل ہے اور اس باب میں زیادہ احتیاط سکوت ہے۔ اور حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے کیا خوب کہا ہے: شعر (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے نبی کو بہت فضیلت مرحمت فرمائی کہ آپ کے والدین کو زندہ کیا تاکہ آپ پر ایمان لائیں، یہ خاص فضل ہے، پس سلام عرض کرو، کیونکہ ذات قدیم (اللہ تعالیٰ) اس پر قادر ہے۔ اگرچہ اس روایت کی ضعیف سند ہے۔ بلاشبہ علماء نے آپ کے والدین کے ایمان لانے کے استدلال میں طویل گفتار کی ہے، پس اللہ تعالیٰ ان (علماء) کو ان کے اس نیک مقصد کا ثواب و جنت مرحمت فرمائے۔

خبردار! آپ کے والدین کریمین کی بُرائیاں بیان کرنے سے ڈرتے رہو بچتے رہو، کیونکہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء کا سبب ہے اس لیے یہ بات عرف میں جاری ہے کہ جب کسی کے والدین کی تنقیص کی جاتی ہے یا کسی عیب کو بیان کیا جاتا ہے تو اس گفتگو سے اُس کے بیٹے کو ایذاء ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، زندوں کو ایذاء نہ دو ان کے مردوں کو بُرا کہہ کر۔ علامہ سیوطی نے اس باب میں کئی رسالے تحریر کئے ہیں، تو ان کو دیکھو۔

اس کے بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی کفالت کی، جب وہ بھی ایک سو بیس سال یا ایک سو چالیس سال کی عمر میں وفات پا گئے، تو ابو طالب نے ان کا نام "عبد مناف" تھا، حسب وصیت عبدالمطلب کفالت کی، کیونکہ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہربان بھائی تھے۔ ابنِ عساکر نے حلیمہ سے اُنہوں نے عرفطہ سے روایت کی، کہا کہ جب میں مکہ واپس آیا تو ان کو قحط میں مبتلا پایا تو قریش نے ابو طالب سے کہا قحط کے نشان ظاہر ہو گئے اور گھر والے قحط میں پڑ گئے تو آؤ بارش کی دعا کریں۔ چنانچہ ابو طالب نکلے اور اُن کے ساتھ ایک بچہ تھا، گویا وہ مثل اُس آفتاب کے ہے کہ جو زیرِ ابر تھا، اور اُس پر سے ابھی بادل ہٹا ہے، اور اُن کے گرداگرد اور بھی بچے تھے۔ جناب ابو طالب نے اُس بچہ کو لیا اور اُس کی پشت کعبہ سے لگا دی، اور اس بچہ نے اپنی انگلی کا اشارہ کیا حالانکہ اُس وقت آسمان پر کوئی ابر کا ٹکڑا نہ تھا، یکایک ادھر اُدھر سے بادل آنے شروع ہو گئے، پھر بارش ہوئی اور نالے بہہ نکلے۔ اُس وقت ابو طالب نے کہا:

(ترجمہ) سفید رنگ والا کہ ان کے چہرہ سے بادل سیرابی حاصل کرتا ہے، وہ یتیموں کا فریاد رس اور فاقہ کشوں کی جائے پناہ ہے۔

ثمال ثاء کے زبر سے بہ معنی جائے پناہ اور فریاد رس، کسی نے اس کے معنی سخت بھوک میں کھانا کھلانے والے کئے ہیں۔ اور "ارامل" مسکین مرد و عورت کو کہتے ہیں لیکن "ارامل" عورتوں کے ساتھ خاص اور بکثرت مستعمل ہے، اس کا واحد ارمل اور ارملۃ ہے۔ یہ شعر جناب ابو طالب کے قصیدہ میں سے ہے، اس کو ابن اسحاق نے طویل ذکر کیا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی نعت و مدح میں ابو طالب کے اور بھی قصیدے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی کفالت اور حمایت مشہور ہے۔ ابن التین نے کہا کہ ابو طالب کا یہ شعر دلالت کرتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی نبوت کے معترف تھے، کیونکہ بحیرا راہب وغیرہ نے حضور کی شان سے مطلع کر دیا تھا۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ ابو طالب نے یہ شعر آپ کی بعثت کے بعد کہا ہے، اور جناب ابو طالب کا آپ کی نبوت کا معترف ہونا تو بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔ بعض روافض نے ان خبروں سے یہ حجت لی ہے کہ وہ مسلمان تھے، اور یہ کہ وہ اسلام پر فوت ہوئے اور حشویہ کہتے ہیں کہ وہ کفر پر فوت ہوئے۔ اپنے اس دعوے پر ایسے استدلال لاتے ہیں جس سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا، انتھی۔ اسی طرح مواہب میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم نے ان کی وفات کے وقت ان سے فرمایا اے چچا! پڑھیے لا الٰہ الا اللہ۔ یہ کلمۂ اسلام ہے تاکہ قیامت کے دن تمہاری شفاعت کرنا مجھ پر حلال ہو۔ پس جب ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی یہ خواہش دیکھی تو آپ سے کہا کہ خدا کی قسم! اے میرے بھائی کے صاحبزادے! اگر مجھے قریش کے اس طعنہ کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں کہہ لیتا، میں کلمہ نہیں کہتا مگر تمہاری خوشی کی خاطر۔ جب وقتِ مرگ قریب آیا تو حضرت عباس نے اُن کے ہونٹ ہلتے دیکھے، تو حضرت عباس نے اپنے کان اس سے لگا دیئے اور کہا اے میرے بھائی کے صاحبزادے (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم) خدا

کی قسم! میرے بھائی (ابو طالب) نے وہ کلمہ پڑھا جس کا آپ نے اُنہیں حکم فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تو سنا نہیں۔ اسی طرح ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ بوقت وفات جناب ابو طالب نے اسلام قبول کر لیا تھا؟ جواب دیا گیا کہ یہ اُس صحیح روایت کے مخالف ہے کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر فوت ہوئے۔ اس بارے میں کلام بہت طویل ہے، اللہ ہی حق کہلواتا اور ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہ (۱۲) برس کے ہوئے تو اپنے چچا جناب ابو طالب کے ساتھ سفر شام کو روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب بصرہ پہنچے تو آپ کو بحیرہ راہب نے جس کا نام "جر جیس تھا" دیکھا، اُس نے آپ کی علامتوں سے پہچان لیا پھر اُس نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر کہا یہ سید العالمین (سارے جہان کے سردار) ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لیے رحمت (رحمت للعالمین) مبعوث فرمائے گا۔ کسی نے اُس سے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو اُس نے کہا جب تم عقبہ پر آپ کو لے کر چڑھے ہو تو کوئی شجر و حجر ایسا نہ تھا جو آپ کو سجدہ نہ کرتا ہو اور شجر و حجر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور میں تو آپ کو اُس مہر نبوت سے جو کندھوں کے درمیان نرم ہڈی کے پیچھے بمثل سیب کے ہے پہنچانتا ہوں اور ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔

پچیس (۲۵) سال کی عمر شریف میں حضور نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور وہ زمانہ جاہلیت میں "طاہرہ" کے نام سے پکاری جاتی تھیں، اور حضرت خدیجہ کی عمر بوقت تزوج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (۴۰) سال کی تھی۔ اور بیس (۲۰) اونٹ مقدار مہر مقرر ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قبیلہ مضر کے رؤسا شریک محفل تھے۔ جناب ابو طالب نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تمام خوبیاں ہیں، جس نے ہمیں ذریتِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اور معد کی نسل اور مضر کے خاندان میں بنایا، اور ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور اُس کا خدمتگار کیا جو ہمارے لیے حج کرنے کا مقام ہے، اور وہ امن و حرمت والی جگہ ہے، اور ہم کو لوگوں پر حاکم کیا۔ اس کے بعد یہ میرے بھتیجے محمد ابنِ عبداللہ کوئی شخص ان کے وزن میں برابر نہیں، مگر یہ اُس پر غالب آجائیں، اگرچہ مالی

لحاظ سے کم ہیں، لیکن مال تو زائل ہونے والا سایہ اور امر حائل ہے اور (سیدنا) محمد جس کی قرابت کو تم جانتے ہو، آپ نے حضرت خدیجہ بنت خویلد کو پیام نکاح دیا اور آپ کے مہر معجل و موجل کے بدلے میں میرے اتنے مال میں سے اتنا ادا کیا جائے۔ خدا کی قسم! اس کے بعد آپ کے لیے بناء عظیم اور حشمت رفیع ہے۔

اور جب آپ کی عمر شریف چالیس (۴۰) سال کی ہوئی ور ایک قول میں چالیس (۴۰) دن یا دس (۱۰) دن یا دو (۲) مہینے اُوپر ہوئے تو پیر کے دن رمضان المبارک کی سترہ (۱۷) تاریخ یا چوبیس (۲۴) تاریخ، اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ پیر کے دن ۸ ربیع الاول ۴۱ھ حادثۂ فیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین اور تمام جن و انسان کی طرف رسول بنایا اور آپ کے مرتبہ کو رفعت دی، آپ کے ذکر کو سارے جہان میں بلند کیا، اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں تیرہ (۱۳) سال رہے۔ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کیا اور مخلوق کو دعوتِ اسلام دی، اور جہان کو ایمان و یقین کے نور سے منور فرمایا۔ چونکہ آپ کی بعثت کی حکمت ہی یہ تھی کہ مخلوق کو ہدایت ہو، اور عمدہ اخلاق کے پیکر بن جائیں اور دین اسلام کی بنیادیں کامل ہو جائیں۔ جب یہ تمام باتیں حاصل ہوگئیں اور یہ مقصود پورا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اعلیٰ علیین میں اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ نے تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر شریف میں ظاہری مدت حیات پوری فرما دی۔ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ واحزابہ اجمعین۔

باب دوم : بیان وفات میں

"اس باب میں ہم وہ خبریں بیان کریں گے جو حضور کے اول و آخر کے حال میں ہیں۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔"

وصال شریف سے ایک ماہ قبل جو واقعات رونما ہوئے یہ ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی مکرم، محبوب معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے میرے ماں باپ اور میری جان آپ پر قربان ہو،

ایک ماہ پہلے ہی اپنے وصال شریف کی خبر دے دی تھی۔ جب جدائی کا وقت قریب آیا، تو ہماری ماں (اُم المومنین) عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت کدہ میں ہم جمع ہوئے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا تمہیں مرحبا ہو، اور تم کو اللہ تعالیٰ سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے، اور اپنی رحمت و حفاظت میں تم کو لے، اور نیک حال بنائے، رزق مرحمت فرمائے، بلندی و رفعت بخشے، اور تمہارا ماویٰ بنے، اور اپنی پناہ میں لے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں، اور یہی میری وصیت ہے اور یہی تم پر خلیفہ۔ اور میں تم کو ڈراتا ہوں کہ میں تمہارے لیے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ پر اُس کی عبادت میں اور اُس کے شہروں میں اپنی بڑائی نہ کرنا۔ بے شک میرے اور تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ آخرت کا گھر ہم اُن لوگوں کے لیے گردانیں گے جو زمین میں بڑائی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور آخرت کی بھلائی متقیوں کے لیے ہے۔ اور فرمایا کیا دوزخ متکبروں کا ٹھکانہ نہیں؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کی ظاہری مدت حیات کی میعاد کب تک ہے؟ فرمایا جدائی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف اور جنت الماویٰ، سدرۃ المنتہیٰ اور رفیق اعلیٰ کی طرف پلٹنے والا ہوں، اور چھلکتے پیالوں، حوض اور پسندیدہ عیش کی طرف بازگشت ہے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کون آپ کو غسل دے؟ فرمایا میری اہل کے بہت قریبی مرد۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کس کپڑے میں کفن دیا جائے؟ فرمایا اگر تم چاہو تو میرے انہی کپڑوں میں، یا مصر کے کپڑوں میں، یا یمانی چادروں میں۔ ہم نے عرض کیا، کون آپ کی نماز جنازہ پڑھائے؟ اور ہم رو پڑے اور حضور پر بھی گریہ طاری ہوگیا پھر فرمایا صبر کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے نبی کی طرف سے بہتر جزا دے، جب تم مجھے غسل دے کر تکفین کر چکو تو مجھ کو میرے اس تخت پر میری قبر شریف کے کنارے جو میرے اسی مکان میں ہے، رکھ کر ایک گھڑی باہر چلے جانا، کیونکہ سب سے پہلے میرے دوست و خلیل جبرئیل پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت مع اپنے ملائکہ کی جماعت کے مجھ پر صلوۃ پڑھیں گے، پھر تم سب گروہ در گروہ ہو کر آنا اور مجھ پر صلوۃ و سلام پڑھنا۔ خبردار! فضول ستائش

اور ماتم و نوحہ کر کے مجھے ایذاء نہ دینا۔ اور چاہیے کہ درود و سلام کی ابتداء میرے اہلِ بیت کے مرد، پھر اُن کی عورتیں، پھر تم کرنا۔ پھر اُن پر سلام کہنا جو میرے صحابہ میں سے اس وقت موجود نہیں ہیں، اور اُن پر سلام کہنا جو میرے دین پر آج کے دن سے قیامت تک برقرار و باقی رہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کون آپ کو آپ کی قبر شریف میں داخل کرے؟ فرمایا میری اہل فرشتوں سمیت جو بکثرت ہوں گے، وہ تم کو اس طرح دیکھتے ہوں گے کہ تم ان کو نہیں دیکھو گے۔

انوار التنزیل اور مدارک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سب سے آخری آیت جو جبریل لے کر آئے یہ ہے واتقو یوما... الآیہ یعنی ڈرو اُس دن سے جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹو گے، پھر ہر ایک نفس کو جو اُس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے اور فرمایا کہ اس آیت کو سورۂ بقرہ دو سو اسی (۲۸۰) آیت کے ساتھ ملا دو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اکیس (۲۱) دن یا اکیاسی (۸۱) دن اور ایک روایت میں ہے کہ تین (۳) گھنٹے دنیا میں رونق افروز رہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رو کر فرمانے لگے کہ وحی کا اختتام وعید پر ہوا۔

ابتدائے مرض

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرض کی ابتداء اور کیفیت یہ منقول ہے کہ ماہ صفر کی اٹھائیس (۲۸) تاریخ بروز چہار شنبہ جبکہ آپ حضرت میمونہ کے گھر رونق افروز تھے دردِ سر سے مرض کی ابتدا ہوئی کسی نے کہا کہ انتیس (۲۹) صفر، اور کسی نے شروع ماہ ربیع الاوّل کہا۔ اور کتب الوفا میں ہے کہ صفر کی بیس تاریخ کو مرض شروع ہوا۔ اور آپ نے بارہ ربیع الاوّل کو وفات پائی۔ انتہی۔ اور رزین نے ابن حاتم سے نقل کیا کہ ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی ہے اور حضرت میمونہ کے گھر میں مرض کی ابتداء ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کے گھر میں اور

کسی نے حضرت ریحانہ کے گھر میں مرض کی ابتداء بتائی۔ (رضی اللہ عنہن) اور خطابی نے بیان کیا کہ آپ کے مرض کی ابتداء پیر کے دن ہوئی اور ایک قول ہفتہ اور ایک چہار شنبہ کا ہے اسے حاکم قول کہا ہے۔ اور کتاب روضہ میں دو (۲) قول مروی ہیں۔ اور مدت مرض میں اختلاف ہے، کہا گیا کہ چودہ (۱۴) دن ہیں اور کسی نے بارہ (۱۲) کہا، اسی پر اکثریت ہے۔ ایک قول دس (۱۰) دن کا بھی ہے، اس پر سلیمان نے جزم کہا، اس کا بھی انہوں نے جزم کیا، حالانکہ وہ ثقہ ہیں کہ آپ کے مرض کی ابتداء بروز ہفتہ بائیس (۲۲) صفر کو ہوئی اور پیر کے دن دو (۲) ربیع الاوّل کو وفات ہوئی۔

کتاب الاکتفاء میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے، تو مدینہ منورہ میں بقیہ ماہ ذی الحجہ اور محرم و صفر میں قیام فرمایا اور لوگوں کو تنبیہہ فرماتے رہے، اور اُسامہ بن زید کو شام کی طرف روانہ فرمایا اور اُنہیں حکم دیا کہ سرزمین فلسطین میں سے بلقاء اور روم کے حدود کو پائمال کر دیں۔ پھر لوگوں کو سامان جنگ دیا اور مہاجرین اولین کو اُسامہ کے ساتھ جمع کر دیا۔ یہ آخری لشکر تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے روانہ فرمایا، تو لوگ روانگی کی تیاری میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ مرض لاحق ہو گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کے موافق اپنی رحمت و کرامت میں ماہ صفر کے آخر یا ماہِ ربیع الاوّل میں قبض روح فرمائی سو اس کی اول ابتداء جیسا کہ مذکور ہوا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درمیانی رات میں بقیع الغرقد کی طرف تشریف لے گئے، ان کے لیے مغفرت چاہی، پھر اپنے دولت کدہ پر واپس آئے، پھر جب صبح ہوئی تو اُسی دن درد شروع ہوا۔ ابو مویہبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کو مجھے بلا کر فرمایا: اے ابو مویہبہ! مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس بقیع والوں کی دعائے مغفرت کروں، تو میرے ساتھ چلو۔ پس میں آپ کے ساتھ گیا، پھر جب آپ وہاں کھڑے ہوئے تو فرمایا السلام علیکم یااھل القبور۔ تم پر تمہاری صبح خوشگوار ہو، بہ نسبت اور لوگوں کی صبح کے کہ اُنہیں اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند حوادث اور فتنے گھیریں، کیونکہ پچھلا اگلے کے ساتھ

ہے، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، اے ابو مویہبہ! بلاشبہ مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں کہ میں اس میں ہمیشہ رہوں، اس کے بعد جنت اور مجھ کو دنیا کے اور اپنے رب سے ملاقات کے درمیان اختیار ملا کہ جسے چاہوں قبول کروں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ دنیا کے خزانوں کی کنجی لے کر ہمیشہ رہیے پھر جنت۔ آپ نے فرمایا نہیں! خدا کی قسم! اے ابو مویہبہ! میں نے اپنے رب کی لقاء اور جنت کو پسند فرمایا ہے۔ پھر آپ نے اہلِ بقیع کے لیے مغفرت کی دعا کی پھر واپس آ گئے۔

اس کے بعد آپ کو وہ مرض شروع ہو گیا جس میں اللہ نے آپ کو بلایا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بقیع سے واپس تشریف لائے تو آپ نے مجھ کو درد سر میں بے چین پایا اور میں کہہ رہی تھی ہائے سر! تب آپ نے فرمایا بلکہ میں خدا کی قسم "ہائے سر۔" اُم المومنین فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم مزاح کی باتوں سے یونہی تسلی دیتے رہے، پھر فرمایا تمہارا کیا نقصان ہے اگر تم مجھ سے پہلے وفات پا جاؤ؟ اُس وقت میں ذمہ دار ہوں گا کہ تمہیں کفن دوں، اور تمہاری نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دوں۔ میں نے عرض کیا، خدا کی قسم! گویا میں آپ پر بھاری ہوں کہ آپ نے یہ سب کچھ کہا۔ اس کے بعد آپ نے میرے گھر کی طرف مراجعت فرمائی اور اُسی روز آپ نے کسی زوجہ کے ساتھ آخر وقت میں شب باشی کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، اس کے بعد آپ کے مرض نے شدت پکڑی، حالانکہ آپ اپنی ازواج پر دورہ فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت میمونہ کے گھر مرض بہت شدید ہو گیا تو آپ نے اپنی سب ازواج کو بلایا اور اُن سے اجازت چاہی کہ وہ میرے گھر میں تیمارداری کرائیں، سو اُن سب نے اجازت دے دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اہل میں سے دو مردوں کے سہارے، ایک اُن دونوں میں سے فضل بن عباس اور ایک کوئی دوسرا، اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور دونوں قدم مبارک سے لکیر کھنچتی آ رہی تھی، یہاں تک کہ میرے گھر تشریف لائے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دوسرا شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی

تکلیف بڑھ گی اور درد شدید ہو گیا۔ ایک روایت میں وارا ساہ (ہائے میرا سر) کے بعد یہ ہے کہ آپ تشریف لے گئے، پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد لوگ آپ کو چادر میں لپیٹے اُٹھا کر میرے گھر لے آئے، پھر بعدہ ازواج مطہرات کو بلایا، اُس سے فرمایا میں علیل ہو گیا ہوں، اب اتنی استطاعت نہیں رہی کہ میں باری باری تم میں دورہ کر سکوں، لہٰذا تم سب اجازت دے دو کہ میں عائشہ کے گھر رہوں۔ پھر میں نے آپ کو وضو کرایا حالانکہ میں نے کسی کو آپ سے پہلے وضو نہیں کرایا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بار بار اپنی علالت کے دوران دریافت فرمایا کرتے، میں کل کہاں رہوں گا؟ آپ کی مراد اس سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دن تھا۔ تب آپ کی ازواج مطہرات نے یہ اجازت دے دی کہ جہاں حضور چاہیں، رہیں، چنانچہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر قیام فرمایا اور اُنہی کے یہاں آپ کی وفات ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم چادر مبارک لپیٹے اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جایا کرتے درآنحالیکہ آپ علیل تھے اور اُن کی باری اس طرح پوری فرمایا کرتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب مرض نے شدت اختیار کی، اور حضور یونہی اپنی باری پوری فرماتے رہے، تو وہ سب ازواج حضرت میمونہ کے گھر جمع ہو کر آئیں۔ جب اُنہوں نے آپ کا یہ حال دیکھا، تو سب اہلِ بیت کی یہی رائے ہوئی کہ لدود کی دوا پلائیں، کیونکہ سب کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ آپ کو ذات الجنب (نمونیا) ہو گیا ہے، تو انہوں نے وہ دوا پلائی۔ اور ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی کوکھ پکڑ لیا کرتے تھے، ایک دن میں نے بھی کوکھ پکڑی۔ اُس وقت آپ پر اتنی شدید بے ہوشی طاری ہوئی کہ ہم نے خیال کیا کہ وفات پا گئے، تو ہم نے لدود پلایا۔ پھر خود بخود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہو گیا، اور ہم وہ لدود پلا چکے تھے تو آپ نے فرمایا، میرے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ تو وہ سب ڈر گئیں اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہانہ کیا اور سب نے جو اس وقت گھر میں تھے، حضرت عباس کو سبب ٹھہرایا۔ حالانکہ اس میں ان کی قطعاً رائے نہ تھی، تو ان سب نے کہا آپ کے چچا حضرت عباس

کے مشورہ سے یہ ہوا تھا، کیونکہ ہمیں خوف تھا کہ شاید آپ کو ذات الجنب (نمونیا) ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ذات الجنب تو شیطان سے ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو مجھ پر تسلط نہیں دیا ہے، اور نہ یہ کہ شیطان چوکے لگائے اور لیکن یہ حرکت عورتوں کی ہے، لہٰذا سب کو ہی لدود پلایا جائے، سوائے میرے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، میرا حکم ان کو شامل نہیں ہے چنانچہ سب کو لدود پلائی گئی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی پلایا گیا، حالانکہ وہ روزے دار تھیں، مگر فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر کی طرف اُن کی باری کے دن حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے چلے اور حضرت فضل آپ کی پشت کو سہارا دیئے ہوئے تھے اور آپ کے دونوں قدم خط کھینچتے جا رہے تھے یہاں تک کہ حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لے آئے، پھر اُنہی کے پاس رہے، کیونکہ شدت مرض کی وجہ سے اُن کے گھر سے کسی اور جگہ جانے کی استطاعت نہ تھی۔ جب آپ کے مرض نے شدت اختیار کی تو حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آپ کا حال بیماروں کا سا ہو گیا اور آپ بستر پر کروٹیں بدلنے لگے۔ اُس وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو آپ اس پر غصہ فرماتے؟ آپ نے فرمایا بلاشبہ مومنین پر سختی ہوا کرتی ہے، لیکن جب کسی مومن کو کوئی کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں مومن کا درجہ بلند فرماتا ہے اور اُس کے معاصی (گناہ) محو فرماتا ہے۔ اور فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اُس پر مرض کی شدت ہوئی ہو۔ مروی ہے کہ کسی کا ہاتھ آپ کے جسم اقدس پر بخار کی شدت حرارت کی وجہ سے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کسی نبی نے اتنی تکلیفیں نہیں اٹھائیں، جتنی مجھ پر تکلیف کی شدت ہے، اس قدر ہمارا ثواب بھی کئی گنا زیادہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بخار کی انتہائی شدت میں پایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بڑی شدت سے بخار ہے؟

فرمایا ہاں، مجھے کو بخار ہے جتنا تم سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کیا یہ اس لیے کہ آپ کو دونا اجر ہو؟ فرمایا، ہاں! اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ایک کانٹے کی بھی تکلیف پہنچے یا اس سے زیادہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو اُس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، جس طرح درخت اپنے پتے گرا دیتا ہے، امام بخاری نے اسے بیان کیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کے مرض نے شدت پکڑی تو آپ نے فرمایا، مجھ پر سات مشکیزے جن کے منہ کھلے نہ ہوں، بہا دو۔ شاید کہ مجھے راحت ہو، اور لوگوں سے گفتگو کروں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت حفصہ کے تانبے کے لگن میں ہم نے آپ کو بٹھایا اور آپ پر پانی بہایا، یہاں تک کہ ہمیں فرمایا، بس اب نہلا چکیں، پھر تشریف لے گئے، اور اُس دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا (فرمایا) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد و ثناء ہے۔ (اس کے بعد) اُن شہداء کے لیے جو غزوہ اُحد میں شریک ہوئے تھے، مغفرت کی دعا کی۔

امتدادِ مرض

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرض کی کلی مدت بارہ (۱۲) دن کی تھی اور کسی نے اٹھارہ (۱۸) دن کہا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی علالت میں فرمایا، یہ تمام دروازے مسجد میں آنے جانے کے لیے بند کر دو بجز ابو بکر کے دروازہ کے، کیونکہ میں ابو بکر سے زیادہ صحابہ میں سے احسان کرنے والا کسی کو نہیں جانتا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس مسجد میں کھلنے والی ہر کھڑکی کو میری طرف سے بند کر دو، سوائے ابو بکر کی کھڑکی کے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی تیمارداری کروں اور میں ہی آپ کی خدمت میں حاضر رہوں؟ فرمایا اے ابو بکر! اگر اپنی

ازواج اور صاحبزادیوں اور اہلِ بیت سے اپنے علاج کی خدمت نہ لوں تو ان پر میری طرف سے سخت مصیبت ہو جائے گی۔ اے ابوبکر! تمہارا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو چکا۔

انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ آپ نے اپنے مرض میں لوگوں کو خطبہ دیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ یا تو وہ دنیا لے لے یا اُس کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تو اُس بندے نے اُس کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رونے لگے۔ ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونے سے تعجب کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو یہ اختیار دیا ہے حالانکہ وہ بندۂ مختار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سب سے زیادہ دانا تھے۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے مرض میں چالیس (۴۰) غلام آزاد کئے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ہر بیماری میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے صحت و عافیت کی دعا مانگی، لیکن اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی، صحت و شفاء کی دعا نہ مانگی، بلکہ اپنی جان پر سختی فرمائی اور فرماتے اے نفس! تیرا عجب حال ہے کہ ہر وقت تو پناہ مانگتا ہے۔

انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ آپ نے حضرت خاتونِ جنت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں، اس کے بعد پھر کان میں کچھ بات کہی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اُن سے اس بات کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا، میں ایسی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا راز افشاء کروں، یہاں تک کہ جب آپ نے وفات پائی تو میں نے اُن سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے کان میں فرمایا تھا کہ جبریل ہر سال قرآنِ کریم کا مجھ سے ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، لیکن اس سال دو مرتبہ دور کیا، اور میں خیال کرتا ہوں کہ اب میرا وقت پورا ہو چکا ہے، اور یقیناً میرے اہلِ بیت میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی ہو، اور میں کتنا اچھا تمہارا پیش رو ہوں تو اس وجہ سے میں رونے لگی۔ پھر فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم اس اُمت کی تمام عورتوں کی

سردار ہو یا فرمایا کہ تمام مسلم عورتوں کی سردار ہو، اس وجہ سے میں ہنس پڑی۔

اور انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم پوری مدت علالت میں لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے، صرف تین (۳) دن امامت نہ فرمائی۔ ایک قول میں سترہ (۱۷) نمازیں ہیں، چنانچہ جب اس پہلی نماز کے لیے اذان ہوئی جس میں آپ نے امامت نہ فرمائی اور وہ نماز عشاء تھی، آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اور زہری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا، لوگوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھ لیں، سو عبداللہ بن زمعہ باہر آئے، اُس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مل گئے، اُن سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیجیے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع کی۔ چونکہ ان کی آواز بلند تھی نماز میں ان کی آواز اونچی ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آواز سن کر فرمایا کیا یہ عمر کی آواز ہے؟ عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ نے فرمایا ابوبکر کے غیر کو امام بنانے سے اللہ اور مومنین انکاری ہیں۔ چاہیے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اسی طرح منتقیٰ میں مذکور ہے۔

شرح مواقف میں ہے کہ حضور کی علالت کے زمانہ میں حضرت بلال نے نماز کے لیے اذان دی تو آپ نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا جاؤ اور ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ جب وہ باہر آئے تو دروازہ پر حضرت عمر اور ایک جماعت کو پایا، مگر ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ تھے، تو کہا اے عمر! لوگوں کو نماز پڑھائیے۔ جب انہوں نے تکبیر کہی، چونکہ بلند آواز تھے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی آواز سنی، فرمایا اللہ اور مسلمان منع کرتے ہیں، ابوبکر ہی نماز پڑھائیں، تین مرتبہ فرمایا۔ راوی کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا کہ تم نے یہ کتنا بُرا کیا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے تم کو میرے لیے حکم دیا ہے؟ کہا نہیں! خدا کی قسم! مجھے یہ نہیں فرمایا کہ کس کو کہوں۔ اور مروی ہے کہ حضرت بلال اذان دے کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور کہا السلام علیک رسول اللہ آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ فرمایا ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ

بلال اپنا سر پکڑے نکلے اور یہ فرماتے تھے، ہائے فریاد! میری اُمیدیں منقطع ہو گئیں اور کمر ٹوٹ گئی۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور جب اُس نے مجھے جنا تو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کا یہ حال نہ دیکھتا۔ مسجد میں گئے اور کہا اے ابوبکر! بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا ہے کہ آپ آگے بڑھیں۔ جب حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے مسجد خالی دیکھی، چونکہ آپ نرم دل تھے، برداشت نہ کر سکے اور غش کھا کر گر پڑے۔ تب مسلمانوں نے آہ و فغاں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے جب یہ شور سنا تو آپ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا: یہ کیسا غل ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے بغیر مسلمان آہ و فغاں کر رہے ہیں۔ تو اس وقت حضرت علی اور ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا، ان کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ پھر فرمایا اے جماعت مسلمین! تم اللہ کی رخصت اور اُس کی امان میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کی پرہیزگاری، اُس کی حفاظت اور اطاعت، تم پر میرا خلیفہ ہے، میں اب دنیا چھوڑنے والا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرض شدید ہو گیا تو حضرت بلال نماز کی اطلاع کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر ایک کمزور دل کے مرد ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو آواز تک نہ سنا سکیں گے، پس اگر آپ حضرت عمر کو حکم فرمائیں تو مناسب ہے۔ تب آپ نے فرمایا! ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ فرماتی ہیں میں نے پھر حفصہ سے کہا تم یہ بات کہو، تب آپ سے حفصہ نے عرض کیا کہ ابوبکر کمزور دل کے مرد ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو آواز تک لوگوں کو نہ سنا سکیں گے، پس اگر آپ عمر کے لیے فرما دیں تو مناسب ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا تم حضرت یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورت کی طرح ہو، ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ راوی کا قول ہے کہ ہم نے ابوبکر سے عرض کر دیا، جب انہوں نے نماز شروع کر دی، تو آپ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے افاقہ محسوس

فرمایا تو حضور دو شخصوں کے سہارے اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کے قدم مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے، یہاں تک کہ مسجد میں تشریف لائے۔ جب حضرت ابو بکر نے آہٹ پائی تو پیچھے ہٹنے کا قصد کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنہیں اشارہ فرمایا کہ تم اسی طرح کھڑے رہو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، اس طرح پر کہ حضرت ابو بکر کھڑے ہوئے۔ وہ حضور کے مقتدی تھے اور لوگ حضرت ابو بکر کے مقتدی تھے۔

سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے تو لوگ ہٹنے لگے، اس سے حضرت ابو بکر بھی سمجھے کہ لوگوں نے یہ کشادگی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مصلے سے پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی پیٹھ پر اشارہ کیا اور فرمایا نماز ہی جاری رکھو اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ان کی دہنی جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضور کو اللہ کی نعمت وفضل سے اب صحت مند دیکھتا ہوں جیسا کہ ہم چاہتے ہیں، آج کا دن بنتِ خارجہ کا ہے اجازت ہو تو وہاں چلا جاؤں؟ فرمایا، ہاں! اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ اپنے گھر مقام سُنح میں چلے گئے۔ یہ روایتیں ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر ہی امام تھے۔
حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت میں سے کسی کے پیچھے نماز نہیں ادا فرمائی سوائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور ایک سفر میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک رکعت ادا فرمائی۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں ایک غزوہ میں شریک تھے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے

تشریف لے گئے اتنے میں نماز شروع ہوگئی، لوگوں نے عبدالرحمٰن کو آگے بڑھا دیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو ایک رکعت عبدالرحمٰن پڑھ چکے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ ان کے پیچھے نماز پڑھی اور جو رہ گئی تھی اسے پوری کی اور فرمایا کسی نبی نے اس وقت تک وفات نہ پائی جب تک کہ اپنی امت میں سے کسی صالح کے پیچھے نماز نہ پڑھ لی اسی طرح صفوہ میں مذکور ہے۔

مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں گئے تو مغیرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے قضائے حاجت کو تشریف لے گئے اور میں آپ کے ہمراہ پانی کا برتن اٹھائے ہوئے تھا۔ جب واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کے دستِ اقدس پر برتن سے پانی ڈالا، آپ نے اپنے ہاتھ منہ دھوئے اس وقت آپ صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے، آپ اپنے دونوں ہاتھ جبہ سے نکالنے لگے، جبہ کی آستین تنگ تھی اس لئے آپ نے دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے اور جبہ کو اپنے کاندھوں پر ڈال لیا، پھر دونوں کہنیاں دھوئیں اور آپ نے پیشانی اور عمامہ پر مسح کیا۔ پھر میں آپ کے موزے اتارنے جھکا، تو فرمایا: جانے دو، میں نے وضو کر کے موزے پہنے ہیں، ان موزوں پر مسح کیا۔ ایک روایت میں مغیرہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالباً حضور فراموش فرما گئے۔ فرمایا نہیں تم بھولتے ہو، مجھ کو میرے رب نے یہی حکم دیا ہے۔ اس روایت کو ابوداؤد اور دارمی نے اسی معنی میں روایت کیا۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر حضور سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا جب جماعت مسلمین میں آئے تو نماز شروع ہو چکی تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے، آپ نے ان کے ساتھ ایک رکوع کیا پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انہیں آمد معلوم ہوئی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے انہیں اشارہ فرمایا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دو میں سے ایک رکعت پڑھی اور کھڑے ہوگئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور چھوٹی ہوئی رکعت کو پورا کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا جو کہ مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔

رافع بن عمرو بن عبید سے مروی وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف آوری سے معذور ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ آپ کے قائم مقام ہو کر نماز پڑھائیں۔ بسا اوقات ہوتا کہ آپ اس وقت تشریف لاتے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز شروع کر چکے ہوتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے، ان کے سوا آپ نے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، البتہ ایک رکعت سفر میں عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے پڑھی ہے۔

"اسد الغابہ" میں حضرت حسن بصری سے مروی ہے، وہ حضرت علی مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے بڑھایا انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور میں تندرست و صحیح موجود تھا اور غائب نہ تھا اگر حضور مجھ کو آگے بڑھانا چاہتے تو مجھے امام بنا دیتے بایں وجہ ہم نے اپنے دنیاوی معاملات میں بھی انہیں پر رضامندی کا اظہار کیا۔ جن سے اللہ اور اس کا رسول ہمارے دینی امور میں راضی تھے۔

انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ جمعرات کے دن آپ کے مرض نے شدت اختیار کی تو ارادہ فرمایا کہ ایک تحریر لکھ دی جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا، ایک ہڈی یا تختی لاؤ کہ میں ابوبکر کے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ ان پر اختلاف نہ ہو۔ جب عبدالرحمٰن کھڑے ہونے لگے تو فرمایا اللہ اور مسلمان منع کرتے ہیں کہ اے ابوبکر کوئی تم سے اختلاف کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت نزدیک آیا تو اس وقت کاشانہ اقدس میں بہت سے لوگ تھے جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ دنیا سے میرے تشریف لے جانے کے بعد پھر تم گمراہ نہ ہو؟ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت چونکہ مرض کی شدت ہے۔ (نوشتہ کی تکلیف دینا مناسب نہیں) تمہارے پاس تو

قرآن ہے ہمیں صرف کتاب اللہ (قرآن) کافی ہے (اس کی موجودگی اور اس پر عمل کرتے رہنے میں کبھی گمراہ نہ ہوں گے) پس اہلِ بیت اختلاف کر کے باہم جھگڑ پڑے، کسی نے کہا کاغذ پیش کر دو تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوشتہ تحریر کرا دیں تاکہ پھر تم گمراہ نہ ہو۔ اور کسی نے وہ کہا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، جب اختلاف بڑھا اور آوازیں بلند ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ایک سے ایک نئی مصیبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تحریر نوشتہ میں حائل ہو گئی بسبب ان کے اختلاف کرنے اور شور و غل کرنے کے۔ امام بخاری نے اسے بیان کیا،

آخری مدتِ حیات ظاہری کے واقعات میں سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف سات دینار تھے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحویل میں تھے جب آپ علیل ہوئے تو فرمایا اے عائشہ ان دیناروں کو لاؤ، پھر آپ پر غشی آگئی اور حضرت عائشہ آپ کی تیمارداری میں مشغول ہو گئیں۔ حضور نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار اس کے بعد آپ پر غشی ہو ہو گئی اور وہ خدمت میں مشغول ہو گئیں۔ بعدہ ان دیناروں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا کہ وہ ان کو خیرات کر دیں پھر پیر کی شب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے وصال شریف کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس گھر کا چراغ بھیجا اور کہا کہ اپنے پاس سے چراغ میں ہمارے لئے تیل ڈال دیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصال شریف کی تیاری میں ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نے حضرت عائشہ سے اس وقت فرمایا جبکہ وہ آپ کو اپنی گود میں لئے تھیں، اے عائشہ تم نے ان دیناروں کا کیا کیا؟ عرض کیا وہ میرے پاس ہیں، فرمایا انہیں خرچ کر دو اس کے بعد غشی طاری ہو گئی۔ دراں حالیکہ حضور انہی کی گود میں تھے پھر جب افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا کہ کیا تم نے ان دیناروں کو خرچ کر دیا؟ عرض کیا، نہیں! تو آپ نے انہیں منگوایا اور اپنی ہتھیلی پر رکھے اور فرمایا، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک نہ ملے جب تک کہ یہ

سونا پاس ہو۔ پھر وہ سب خیرات کر دیئے اور اسی دن آپ کا وصال ہو گیا۔ انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ بوقت وصال حضور کو اختیار ملا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں سنا کرتی تھی کہ کوئی نبی وفات نہیں پاتا جب تک کہ اس کو دنیا اور آخرت میں اختیار ملے سو میں نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخر مرض میں یہ فرماتے سنا کہ اے رب! ان لوگوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، اور وہ کتنا بہترین رفیق ہے۔ میں خیال کرتی ہوں کہ اس وقت آپ کو اختیار ملا اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کہ جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں، یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں اور انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ آپ نے اپنے وصال سے قبل مسواک فرمائی۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ وہ فرماتی تھیں کہ مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں میری باری کے دن اور میری گود اور سینہ پر وصال فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ میری تھوڑی اور گردن پر، اور یہ اللہ کی نعمت ہے کہ بوقت وصال شریف میرا اور حضور کا لعاب دہن جمع فرما دیا تھا اور یہ کہ میرے پاس عبدالرحمٰن بن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئے اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں لئے ہوئے تھی، میں نے حضور کو دیکھا کہ وہ مسواک کی طرف نظر فرما رہے ہیں، میں نے سمجھ لیا کہ آپ مسواک چاہتے ہیں۔ اس وقت عرض کیا، کیا میں آپ کے لئے مسواک پیش کروں؟ آپ نے اپنے سر مبارک کے اشارہ سے ہاں کہا، سو پیش کر دی۔ مگر وہ آپ کو سخت معلوم ہوئی۔ میں نے عرض کیا، میں اسے نرم کر دوں؟ آپ نے اپنے سر مبارک کے اشارہ سے ہاں فرمایا۔ میں نے اسے نرم کر دیا پھر اسے لے کر مسواک کی اور یہ کہ آپ کے سامنے ایک پانی کا برتن تھا آپ اس میں اپنا دست اقدس ڈالتے پھر اپنے چہرۂ انور پر پھیرتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ بے شک بوقت رحلت سختی (سکراتِ موت) ہوتی ہے پھر آپ نے ہاتھ کھڑے کئے اور کہنا شروع کیا۔ الرفیق الاعلی یہاں تک کہ حضور نے وصال فرمایا اور دست اقدس بستر پر آ گئے۔

حاکم اور ابنِ سعد نے کئی سندوں سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حال میں وصال فرمایا کہ آپ کا سر مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا۔ حاکم کی تمام سندیں حافظ ابنِ حجر کے قول کے موافق شبہ سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔ اور انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن نماز فجر کے وقت پردہ اٹھایا تاکہ ملاحظہ فرمائیں کہ لوگ نماز فجر میں مشغول ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس علالت میں ہوئے جس میں وصال فرمایا حتیٰ کہ پیر کے دن لوگ نماز میں صفیں باندھے کھڑے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرے کا پردہ اٹھا کر کھڑے ہوئے ہمیں ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ کا چہرۂ انور گویا مصحف کا ورق تھا، پھر تبسم فرمایا ہم نے قصد کیا کہ اس خوشی میں ہم اپنی نماز توڑ کر جمال جہاں آرا کا دیدار کریں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹنے لگے تاکہ صف میں مل جائیں۔ انہیں خیال ہوا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ چھوڑ دیا۔ اسی روز آپ کا وصال ہوا۔ انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت کے زمانہ میں آپ کے پاس سے باہر آئے۔ اس وقت ایک شخص نے پوچھا اے ابوالحسن! آج صبح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال رہا؟ فرمایا اچھا حال رہا، حضرت عباس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم تین دن کے بعد بے سہارا ہونے والے ہو پھر الگ ہو کر فرمایا میرا خیال ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ بوقت وفات عبدالمطلب کی اولاد کے بشرے کیسے ہوتے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس علالت سے صحت یاب نہ ہوں گے۔ اب تم ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معلوم کریں اگر یہ امارت ہماری طرف ہے تو ہم اس کو معلوم کر لیں اور اگر نہیں ہے، تو ہم اپنے حق میں اچھی وصیت کرا لیں۔ اس

وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا دیکھو اگر ہم حضور کے پاس گئے اور آپ نے ہمیں امارت عطانہ فرمائی تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ اس کو ہمیں دے دیں گے۔ خدا کی قسم! میں اس کو ہرگز نہیں دریافت کروں گا۔ انہی واقعات میں سے یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وصال شریف سے قبل تین دن برابر حاضر ہو کر حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مزاج پرسی کرتے رہے کہ اب حضور کا مزاج کیسا ہے ان کا آنا ہفتہ اتوار اور پیر کے دن تھا اور پیر کے ہی دن ملک الموت نے حاضری کی اجازت چاہی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام فرماتا ہے اور آپ کا مزاج دریافت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اے اللہ کے امین، میں خود کو علیل پاتا ہوں۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ اے جبریل میں خود کو مغموم اور تکلیف میں پاتا ہوں۔ دوسرے دن جبریل نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ حضور کو سلام فرماتا ہے اور آپ کا مزاج دریافت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا، اے اللہ کے امین، میں خود کو دردمند پاتا ہوں۔ پھر تیسرے دن جبریل ملک الموت کے ساتھ آئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ حضور کو سلام فرماتا ہے اور آپ کا مزاج دریافت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اے اللہ کے امین، میں خود کو دردمند پاتا ہوں۔ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ عرض کیا یہ ملک الموت ہیں پھر (جبریل نے) کہا دنیا میں میرا یہ آخری وقت ہے، اور آپ کا بھی آخری وقت ہے۔ آپ کے بعد اولاد آدم میں کسی مرنے والے کے پاس ہرگز نہ آؤں گا اور آپ کے بعد کسی کے پاس زمین پر نہ آؤں گا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر موت کی شدت معلوم ہوئی (سکرات موت) اور آپ کے پاس پانی کا پیالہ تھا جب بھی شدت محسوس ہوتی تو اس میں سے پانی لے کر اپنے چہرۂ اقدس پر مل لیتے اور فرماتے، اے خدا سکراتِ موت پر میری مدد کرنا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم اپنی علالت کے زمانہ میں فرمایا کرتے کہ یہ خیبر کا زہریلا لقمہ ہمیشہ ستاتا رہا ہے، چنانچہ اب بھی رگ گردن منقطع ہوتی معلوم ہو رہی ہے۔ ابنِ اسحاق بیان کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہوئے ہیں، باوجود اس خاص بزرگی کے جو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ شفا شریف میں یہ روایت ہے۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ اللہ کی پناہ لیتے تھے "اے لوگوں کے رب! تو اس تکلیف کو دور کر کے شفاء عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے، بجز تیری شفاء کے کوئی شفاء نہیں ہے۔ ایسی شفاء مرحمت فرما کہ بیماری کو نہ چھوڑے۔"

بخاری و مسلم نے اسے روایت کیا۔ اور فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی اس آخری علالت میں ضعیف ہو گئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ کر ملنا شروع کیا اور وہی کلمات (مذکورہ بالا) پڑھنے لگی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس مجھ سے چھڑا کر کہا "اے رب! مجھے ڈھانپ لے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔" اور یہ آپ کا وہ آخری کلام ہے جسے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سے سنا۔ یہ صحیحین میں منقول ہے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ میں نے واقدی کی کسی کتاب میں دیکھا کہ پہلا کلمہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ آپ حضرت حلیمہ کے یہاں رضیع تھے یہ فرمایا "اللہ اکبر" اور آپ کا آخر کلام الرفیق الاعلیٰ ہے۔ اور حاکم نے حضرت انس کی حدیث سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو آخری کلمہ فرمایا یہ ہے کہ جلال ربی الرفیع (میرے رب کا جلال برتر ہے) اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عہد یہ تھا کہ جزیرہ عرب میں دو دین نہ ہوں۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی علالت کے زمانہ میں علی العموم یہ وصیت فرماتے تھے کہ نماز کی حفاظت کرو اور باندی و غلام کے

حقوق کو ملحوظ رکھو یہاں تک کہ سینہ میں آواز بھرائی اور زبان نے یاری نہ کی۔ اسی طرح الاکتفاء میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت رحلت وصیت فرمائی کہ نماز کی حفاظت کرو اور باندی و غلام کے حقوق کو ملحوظ رکھو یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں آواز بھرا گئی اور زبان مبارک نے یاری چھوڑ دی۔ اور مروی ہے کہ ملک الموت نے اجازت طلب کی اور آپ کے پاس جبریل موجود تھے، اس وقت جبریل نے عرض کیا یا احمد! یہ ملک الموت آپ سے اذن کا خواستگار ہے، اس نے آپ سے پہلے کسی آدمی سے اجازت نہیں طلب کی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پھر کسی آدمی سے اجازت لے گا۔ فرمایا اسے آنے دو۔ چنانچہ ملک الموت نے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ، یا احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور کی بارگاہ میں بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں حضور کے ہر حکم کی تعمیل کروں اگر آپ اپنی روح قبض کرنے کی اجازت دیں، تو قبض کروں۔ اور اگر منع فرمائیں تو باز رہوں۔ فرمایا اے ملک الموت! کیا تم ایسا کرو گے؟ عرض کیا مجھے یہی حکم ملا ہے کہ حضور کی اطاعت و فرمانبرداری کروں جو بھی حضور فرمائیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ملک الموت! وہ کرو جس کا تمہیں حکم ملا ہے۔ جبریل نے عرض کیا، یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ میرا زمین پر آنا آخری ہے دنیا میں میرے مقصود تو آپ ہی تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اور اکتفاء میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری باری کے دن میرے سینہ اور گود میں وفات پائی۔ اس امر میں کسی پر ظلم نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد یہ میرا بھولا پن اور کم سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب وہ میری گود میں تھے، تو وفات پائی اور میں نے آپ کا سر مبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تکیہ پر رکھ دیا اور عورتوں کے ساتھ رونے کو تیار ہو گئی اور منہ پیٹنے لگی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو ایسے تعزیت کرنے والے آئے جن کی آواز تو آہستہ سنائی دیتی تھی مگر وہ نظر نہیں آتے تھے۔ چنانچہ کسی

شخص کی آواز آئی۔ "السلام علیکم اے اہلِ بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ ہر ایک جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ یقیناً تمہارا اجر قیامت کے دن پورا ملے گا۔ بے شک اللہ کی طرف سے ہر ایک مصیبت کی تعزیت ہے اور ہر مرنے والے کا بدلہ ہے، اور ہر فوت ہونے والے کا صلہ ہے، تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو اور اسی سے امیدوار رہو۔ بلاشبہ مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔" اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم جانتے ہو یہ بولنے والا کون ہے؟ یہ خضر علیہ السلام ہیں اسی طرح مشکوٰۃ میں دلائل النبوۃ سے مروی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ہو کر (فراق و جدائی میں) رو رہے تھے اس وقت ایک ایسا شخص آیا جس کے بال کندھے تک دراز تھے اور تہبند و چادر میں ملبوس تھا وہ صحابہ کے مجمع کو چیرتا اندر آیا یہاں تک کہ گھر کی چوکھٹ کو پکڑ کر وصال شریف پر رونے لگا۔ اس کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا بلاشبہ اللہ ہی کی جانب سے ہر ایک مصیبت کی تعزیت ہے اور ہر فوت ہونے والے کا بدلہ۔ آخر حدیث تک۔ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے ہر طرف دیکھا بھالا مگر کسی کو وہ نظر نہ آیا۔ تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شاید کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جو تعزیت کے لئے آئے تھے۔ اسے ابنِ ابی الدنیا نے حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کر کے بحث کی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے "کتاب الام" میں اسے بیان کیا لیکن اس میں حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح "مواہب لدنیہ" میں ہے۔

عمر شریف

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے بیان میں حضرت ابنِ عباس

رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی اس کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ اور دس سال مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی۔ اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ صحیحین میں یہی منقول ہے۔ اسی طرح صحیح روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عمریں بھی تریسٹھ سال کی تھیں۔ ابو حاتم نے اپنی تاریخ میں اسے صحیح بتایا۔ اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں باسٹھ سال اور چھ مہینے، اور ابن ابی شیبہ کی کتاب میں اکسٹھ یا باسٹھ لکھا ہے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تریسٹھ برس کو حضور پہنچے ہوں اور ان اقوال کی مطابقت یوں کی ہے کہ جس نے پینسٹھ برس کہا ہے تو اس نے ولادت و وفات کے سالوں کو مستقل دو سال شمار کئے ہیں۔ اور جس نے تریسٹھ کہا ہے جو کہ مشہور ہے اس نے ولادت و وفات کے سالوں کو چھوڑ دیا ہے اور جس نے ساٹھ سال کہا اس نے اس حدیث پر اعتماد کیا جو "اکلیل" میں ہے اور اس قول میں کلام ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنے بھائی سابق نبی کی نصف عمر دنیا میں زندگی گزاری ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲۵ سال اس دنیا میں رہے ہیں۔ (روایت معتبرہ میں سیدنا مسیح علیہ السلام کی تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں رفعت آسمانی مذکور ہے۔ الرضوی) اور جس نے ۶۱ یا ۶۲ کہا اس کو شک ہے یقین نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ اختلاف اقوال اس بنیاد پر ہے کہ بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں کتنے عرصہ قیام فرمایا (واللہ تعالیٰ اعلم) اسی طرح مغلطائی میں ہے۔

وصال شریف کا وقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف بلا اختلاف پیر کے دن بارہ ربیع الاول الحہ کو بوقت چاشت اسی وقت میں ہوا جس میں ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن تولد ہوئے۔ پیر کے دن بعثت ہوئی۔ پیر کے دن مکہ سے ہجرت

کر کے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے، پیر کے دن مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے، پیر کے دن حجرِ اسود نصب فرمایا، پیر کے دن وصال ہوا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات پیوند لگی چادر میں ہوئی۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیوند لگی چادر اور موٹی ازار (تہبند) ہمیں دکھا کر فرمایا ان کپڑوں میں حضور نے وصال فرمایا۔

اور اکتفاء میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور رونے کی آواز اور فرشتوں کی تسبیح بلند ہوئی تو لوگ مدہوش ہو گئے جیسا کہ بکثرت صحابہ سے منقول ہے کہ ان کے ہوش قائم نہ رہے اور سخت مصیبت و بدحواسی میں پڑ گئے اور بعض تو پاگل ہو گئے، کوئی مبہوت ہو کر چپ رہا اور کوئی زمین میں پڑا رہ گیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو مجنون ہو کر چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ بعض منافق یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ یقیناً خدا کی قسم! آپ نے وفات نہیں پائی بلکہ اپنے رب کے پاس گئے ہیں جیسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اپنی قوم سے پوشیدہ رہ کر واپس آ گئے تھے، ان کے لئے بھی یہی کہا گیا تھا کہ وہ وفات پا گئے، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور واپس تشریف لائیں گے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لے آئے تھے، چاہئے کہ ایسے لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں تلوار پکڑ رکھی تھی اور فرما رہے تھے کہ میں کسی سے یہ سننے نہ پاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں ورنہ اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تو گنگ ہو کر رہ گئے تھے یہاں تک کہ کوئی پکڑ کر ان کو لے جاتا اور لے آتا تھا، بات تک نہ کرتے تھے مگر دوسرے دن۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھے رہ گئے۔ حس و حرکت کی بھی استطاعت نہ رہی تھی۔ اور عبداللہ بن انیس تو بیمار ہو گئے اور اسی میں گھٹ گھٹ کر انتقال کر گئے۔

اور ان تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور استوار صرف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ

ثابت قدم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے البتہ جب وہ آئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ہانپتے کانپتے اور سانس پھولے ہوئے تھے، جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو اوندھے گر پڑے اور چہرۂ انور سے کپڑا اٹھا کر کہا اے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آپ کی زندگی بھی طیب و طاہر ہے اور وفات بھی۔ آپ کی وفات سے وہ چیز منقطع ہوگئی جو کسی نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی۔ آپ تعریف و توصیف سے بالاتر اور گریہ وبکا سے برتر ہیں، کاش! اگر آپ کی وفات پر اختیار ہوتا تو ہم آپ کی وفات کے بدلے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ اے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں ہمیں یاد رکھنا ہم آپ کے دل میں ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو لوگوں کو اس میں اختلاف ہوگیا کہ کیا آپ نے وفات پائی ہے یا نہیں؟ حضرت انس فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو لوگ رونے لگے اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں کھڑے یہ خطبہ دے رہے تھے کہ میں یہ سننے نہ پاؤں کہ حضور نے وفات پائی، بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلایا ہے جیسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو بلایا تھا اور وہ اپنی قوم سے چالیس دن غائب رہے تھے۔ خدا کی قسم! مجھے توقع ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں گے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ وفات پا چکے ہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر برابر یہی فرماتے رہے اور لوگوں کو ڈراتے رہے یہاں تک کہ ان کے منہ میں جھاگ بھر گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میٹھی نیند میں ہیں جیسے لوگ سویا کرتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے وفات پالی ہے۔ لہٰذا اب اپنے آقا کی تدفین کا انتظام کرو۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام سُنح یعنی محلہ عالیہ میں اپنی زوجہ بنتِ خارجہ کے گھر میں تھے اور حضور نے ان کو وہاں جانے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت کر لوگوں کو ڈرانے لگے اور یہ کہنے لگے کہ جس نے بھی کہا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام سُنح میں تھے، شور سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر واپس آئے، اندر گئے اور حضور کے چہرۂ انور کو کھولا اور دو زانو بیٹھ کر بوسہ دیا۔ اس وقت آپ روتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ آپ نے وفات پائی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتنی پاکیزہ آپ کی زندگی و موت ہے۔ اسے طبری نے ریاض میں ذکر کیا۔

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ کے چہرۂ انور سے چادر اٹھائی اور اپنا منہ حضور کے چہرۂ انور پر رکھ کر سونگھنے لگے پھر چادر الٹ دی یعنی آپ نے موت کی بو سونگھی۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر گھوڑے پر اپنے مکان مقام سُنح سے جو مدینہ کے کنارے بنی حارث بن خزرج کے قبیلہ کے پاس تھا اور حضور کے کاشانۂ اقدس سے وہاں تک ایک میل کا فاصلہ تھا، واپس آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ مسجد نبوی میں اترے اور کسی سے بات نہ کی سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں داخل ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچے۔ آپ اس وقت یمنی چادر میں پوشیدہ تھے تو انہوں نے آپ کا چہرہ کھولا۔ پھر اوندھے منہ ہو کر بوسہ دیا اور رو کر کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت جمع نہیں کرے گا، پہلی موت جو آپ پر مقدر تھی یہی ہے جسے آپ نے قبول فرمایا۔ بخاری نے اسے روایت کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت جمع نہیں کرے گا اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ ظاہر معنی پر ہے، اس میں ان لوگوں کے گمان کے رد کی طرف اشارہ ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ پھر زندہ ہو کر تشریف لائیں گے اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ اس لئے کہ اگر ان کا یہ گمان صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ آپ پر دوبارہ موت آئے گی۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خبردار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور کا بڑا اکرام ہے کہ وہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا۔ جیسا کہ اوروں پر جمع کی، یعنی ان لوگوں کی مانند جو اپنے وطن سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے (اور یہ وہ لوگ تھے جو

-وباء طاعون کے خوف سے بھاگے تھے ان کو اچانک موت آئی اور پھر زندہ ہوئے تھے) اور نہ اس شخص کی طرح جو ایک گاؤں پر سے گزرے تھے (اس سے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ مترجم) اور کسی نے کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ کو قبر میں دوبارہ موت نہ ہوگی جیسے اوروں کو ہوتی ہے کہ وہ زندہ کئے جاتے ہیں تاکہ (منکر نکیر کے) سوال و جواب ہوں پھر انہیں موت دے دی جاتی ہے۔ اور کسی نے کہا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی وفات کے ساتھ آپ کی شریعت کی موت جمع نہیں کرے گا۔ اور کسی نے کہا کہ دوسری موت کا کنایہ کرب و بے چینی ہے۔ یعنی آج کے دن حضور نے جو کرب و بے چینی برداشت کی ہے اس کے بعد کوئی کرب و بے چینی نہ ہوگی۔ یہ فتح الباری کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب باہر تشریف لائے تو حضرت عمر لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے بیٹھنے سے انکار کیا۔ تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں چھوڑ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے جو کوئی حضرت محمد (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ آپ وصال فرما چکے، اور جو اللہ تعالیٰ عبادت کرتا تھا وہ بھی سن لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے جس پر کبھی موت نہ طاری ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ الایہ۔ (یعنی سن لو) حضور تو اللہ کے رسول ہیں، آپ سے پہلے بھی بکثرت رسول گزر چکے ہیں۔ آخر آیت تک۔

راوی کا قول ہے کہ خدا کی قسم لوگوں کو گویا یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اللہ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی ہے یہاں تک کہ ابوبکر نے یہ آیت تلاوت کی۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے خطبہ دینا شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے پس انہوں نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، آگاہ ہو جاؤ! جو حضور کی پرستش کرتا تھا، جان لے کہ حضور نے وصال فرمالیا اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا

تو سن لو کہ وہ حی لایموت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ بے شک آپ کو بھی وفات آنی ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔

اور فرمایا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ الآیہ۔ راوی کا قول ہے کہ اس کے بعد لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے ابن ابوشیبہ کے یہاں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو ہلاک کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا کرے۔ راوی کا قول ہے کہ منافقین اس وقت خوب خوشیاں منا رہے تھے اور اپنے سروں کو اونچا اٹھا رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر نے فرمایا اے شخص یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں، کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک میت۔ الآیہ۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محبوب! ہم نے آپ سے پہلے کسی کو ہمیشگی کی زندگی نہیں دی پھر وہ منبر کی طرف تشریف لائے۔ (الحدیث)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ سے اس وقت سنا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت مسجد نبوی میں ہو رہی تھی، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا پھر کہا کہ کل میں نے تم سے ایک بات کہی تھی، وہ جیسی میں نے تم سے کہی تھی درست نہ تھی، خدا کی قسم! میں نے جو بات کل کہی تھی، نہ تو کتاب اللہ میں پائی، اور نہ سنت رسول اللہ میں دیکھی، چونکہ میں توقع رکھتا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے بعد تک زندہ رہیں گے یعنی ہم سب کے بعد حضور وفات پائیں گے یا اور کچھ کہا (شکِ راوی ہے) اب اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے رسول کے لئے اس کو پسند کیا جو اس کی مرضی تھی اور جو تمہاری آرزو تھی اسے قبول نہ کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ ہدایت فرمائی۔ تم

اسے مضبوط پکڑ کے ہدایت حاصل کرو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ ابو نصر کہتے ہیں کہ گویا کہ حضرت عمر کی وہ تمام باتیں اس شدتِ غم سے تھیں جو ان پر وصال رسول سے پڑی تھی، اور ان کو منافقین کے غلبہ اور فتنے نے خوفزدہ کر دیا تھا، جب انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پختہ یقین کا مشاہدہ کیا تو انہیں اللہ عزوجل کے فرمان کہ "ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے" کا قائل ہونا پڑا۔ اور اس کا کہ "بلاشبہ آپ بھی وصال فرمانے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔" انتہٰی۔

ابنِ عساکر نے ابی ذویب ہذلی سے روایت کی کہ انہوں نے کہا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیل ہیں، سو قبیلہ والے اس خبر سے خوفزدہ ہو گئے اور میری رات دراز ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب فجر کا وقت قریب ہوا تو غنودگی آ گئی، اس وقت ندائے غیبی نے کہا: ؎ (ترجمہ)

یہ نہایت سخت حادثہ ہے کہ اسلام بیٹھ گیا۔ باغ میں اور سنگین مکانوں کی نشست گاہ میں۔ حضور نبی کریم نے وصال فرمایا پس ہماری آنکھیں آنسوؤں سے بہہ نکلیں آپ کی وفات کے صدمہ میں۔

میں اپنی نیند میں ڈر کر اچھل پڑا اور آسمان کی طرف دیکھا تو دو چمکتے ستاروں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ یا آپ قریب الوفات ہیں۔ پھر مدینہ منورہ دوڑتا آیا تو وہاں اہلِ مدینہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے جیسے کہ حاجی بوقت احرام تلبیہ مل کر پڑھتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کیا ہوا؟ تو کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحلت فرما چکے ہیں۔

علامہ دمیری نے "حیوۃ الحیوان" میں بروایت واقدی وہ اپنے شیخ سے نقل کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت میں شک و تردد ہوا۔ تو اسماء بنت عمیس نے اپنا ہاتھ حضور کے مونڈھوں کے درمیان رکھا پھر انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں کیونکہ آپ کے مونڈھوں سے مہر نبوت اٹھا لی گئی۔ یہی بات تھی جس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت معلوم ہوئی، اس کو بیہقی اور ابو نعیم نے نقل کیا۔

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ بوقت رحلت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ انور پر رکھا تھا اس کے بعد مدتوں تک باوجودیکہ میں کھانا بھی کھاتی ہوں، وضو بھی کرتی ہوں مگر میرے ہاتھوں سے مشک جیسی خوشبو نہ گئی۔

اور ابو نعیم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو ملک الموت روتے ہوئے آسمان پر چڑھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں نے ایک غیبی آواز کو آسمان سے ندا کرتے سنا کہ ہائے رسول اللہ (وامحمداہ) ہر ایک مصیبت آپ کی جدائی کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نے اپنی علالت کے زمانہ میں فرمایا، اے لوگو! جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو اس وقت چاہئے کہ عین اس مصیبت میں جو دوسری وجہ سے اس کو پہنچی ہے، میری اس مصیبت کی تعزیت کرلے۔ کیونکہ میری امت میں سے کوئی شخص میرے بعد ہرگز ایسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوگا جو میری اس مصیبت (یعنی وفات) سے زیادہ سخت ہو۔

غسل شریف

جب لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے فارغ ہو گئے اور اللہ نے ان کو اس اہتمام جس میں صحابہ کرام بعد وفات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوشش کر رہے تھے، سب کو جمع کر دیا اور امر خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ٹھہر گئی، تب تمام صحابہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ مروی ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے غسل دیا گیا؟ فرمایا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باریک یمنی چادر سے پہلے پردہ کیا (چونکہ حضور کثیر الحیاء تھے۔ مترجم) اس کے بعد یہ

سنت تمام صلحاء امت میں پھیل گئی۔ پھر ہاشمی مردوں کو جو کلہ اور دیواروں کے بیچ میں بیٹھے تھے، اجازت دی پھر حضرت عباس کلہ (سراپردہ) میں داخل ہوئے اور حضرت علی اور حضرت فضل اور حضرت ابو سفیان بن حارث اور حضرت اسامہ بن زید کو بلایا، جب یہ سب کلہ (سراپردہ) میں جمع ہو گئے تو ان سب پر اور جو کلہ (سراپردہ) سے باہر گھر میں تھے، نیند غالب ہو گئی۔ اس کے بعد ندائے غیبی نے متنبہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ غسل دو، آپ سر تا پا پاکیزہ ہیں۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ خبردار! ہم ضرور غسل دیں گے۔ اہلِ بیت نے کہا یہ ندا صادق ہے غسل نہ دو۔ حضرت عباس نے فرمایا ہم ایسی آواز کے اوپر جسے ہم جانتے تک نہیں کیونکر سنت کو ترک کر دیں۔ اس کے بعد ان پر پھر دوبارہ نیند کا غلبہ ہو گیا۔ پھر ندائے غیبی نے متنبہ کیا کہ حضور کو مع آپ کے ملبوسات کے غسل دو۔ اس وقت اہلِ بیت نے بھی کہا ہاں یہ مانو۔ حضرت عباس نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جب حضرت عباس کلہ (سراپردہ) میں غسل کے لئے داخل ہوئے تو چوکڑی مار کر (مربعہ) بیٹھ گئے، اور حضرت علی کو بھی چوکڑی مار کر (مربعہ) بیٹھنے کو کہا، دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دونوں نے اپنی گود میں بٹھالیا، اس وقت یہ ندا آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیدھا لٹادو پھر غسل دو، اور پردہ کرو، تب انہوں نے تختہ سے الگ ہو کر حضور کو سیدھا لٹادیا اور تختہ کی پائنتی غرب اور سرہانہ مشرق کی جانب کر دیا، اس کے بعد غسل دینا شروع کیا اس حال میں کہ حضور کے جسم اقدس پر آپ کی قمیص تھی اور اس کی آستین ایک جانب سے کھلی ہوئی تھی اور خالص پانی سے غسل دیا اور کافور کی خوشبو ملی گئی، پھر قمیص اور محول کو نچوڑ ڈالا اور سجدہ گاہ اور مفاصل (جوڑوں) پر دھونی دی گئی۔ اور اسی خالص پانی سے وضو کرایا یعنی چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں ہتھیلیاں پھر قمیص اور محول پر کفن پہنادیا اور طاق مرتبہ عود (اگر) کی دھونی دی، پھر آپ کو اٹھا کر تخت مبارک (تابوت) پر لٹادیا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اپنے نبی کا پردہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی کرے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسل کا ارادہ کیا تو اس میں ان کا اختلاف ہوا، کہنے لگے خدا کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ملبوسات (کپڑے) اتار لیں جیسے ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتار لیتے ہیں، یا آپ کو انہی ملبوسات (کپڑوں) سمیت غسل دیں۔ جب اختلاف ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند غالب کر دی حتیٰ کہ ہر ایک کی ٹھوڑی سینہ پر تھی تو گھر کے ایک گوشہ سے یہ آواز آئی اور معلوم نہیں وہ کون تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملبوسات (کپڑوں) سمیت غسل دو، پھر وہ اس کے لئے آمادہ ہوئے اور قمیص مبارک سمیت غسل دیا اور مشکوٰۃ میں ہے کہ پانی کو قمیص مبارک کے اوپر سے ڈالا، اور قمیص سے ملتے جاتے تھے، اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بیان کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتیں کہ اگر مجھے اپنے حال کی پہلے سے خبر ہوتی جو بعد کو سمجھی ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کی ازواج کے سوا کوئی غسل نہ دیتا۔ بکثرت شخصوں سے مروی ہے کہ جن لوگوں نے حضور کے غسل دینے کا ذمہ لیا تھا وہ حضور کے چچا کے صاحبزادہ (ابن عباس) حضرت علی ابن ابی طالب اور حضور کے چچا عباس بن عبدالمطلب اور ان کے دونوں فرزند فضل اور قثم اور حضور کے محبوب اسامہ بن زید اور حضور کا غلام شقران رضی اللہ عنہم تھے۔ جب یہ سب حضرات آپ کے غسل کے لئے جمع ہو گئے تو اوس بن خولی انصاری نے جو بنی عوف بن خزرج کے قبیلہ سے بدری ہیں، دروازہ کے باہر سے حضرت علی ابن ابی طالب کو پکار کر کہا "اے علی! میں تم سے خدا کے واسطے رسول اللہ کی خدمت میں حصہ مانگتا ہوں تو حضرت علی نے ان سے کہا آجاؤ"، تو وہ بھی غسل میں حاضر ہو گئے، مگر غسل میں کچھ حصہ نہ لے سکے۔ کسی نے بیان کیا کہ وہ پانی اٹھا کر دیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت علی نے مع قمیص مبارک کے اپنے سینہ سے ٹیک لگائی اور حضرت عباس اور فضل و قثم حضرت علی کے ساتھ پہلو بدلنے کی خدمت میں تھے، اور اسامہ و شقران آپ پر پانی بہاتے تھے اور ان کی آنکھیں پٹی سے بندھی تھیں کیونکہ حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا آپ کو کوئی

غسل نہ دے، اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا کوئی آپ کو غسل نہ دے۔ کیونکہ فرمایا میرا ستر کوئی نہ دیکھے، ورنہ اس کی آنکھیں جاتی رہیں گی۔ اسی طرح سیرت مغلطائی میں ہے، اور "الشفاء" میں ہے کہ حضرت علی پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے کوئی چیز دکھائی نہ دی جو بالعموم مردوں کی دکھائی دیتی ہے۔ حضرت علی نے فرمایا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کی موت و حیات کتنی پاکیزہ ہے۔ ابنِ ماجہ نے جید سند کے ساتھ حضرت علی سے مرفوعاً بیان کیا کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے میرے کنوئیں اور غرس کے کنوئیں کے سات مشک پانی سے غسل دینا۔ غرس کے بارے میں صاحب "نہایہ" نے کہا یہ لفظ غین معجمہ کے زبر اور راء و سین مہملہ کے سکون سے ہے یہ وہ کنواں ہے جس سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانی پیا کرتے تھے۔ ابنِ نجار بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سویرے جنت کے کنوئیں پر پہنچا ہوں، سو آپ غرس کے کنوئیں پر صبح کو تشریف لے گئے، وضو کیا پھر اس میں لعاب دہن ڈالا۔ یہ سمہودی کی تاریخ مدینہ میں مذکور ہے۔ حضرت علی نے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر قمیص مبارک کے نیچے ڈالا یہ سیرت مغلطائی میں ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ پہلا غسل تو خالص پانی سے اور دوسرا بیری کے پتوں کے پانی سے اور تیسرا کافور کے پانی سے تھا۔ جعفر بن محمد سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقہ چشم میں پانی جمع ہوتا، تو حضرت علی اسے پی لیا کرتے تھے۔ "شواہد النبوۃ" میں ہے کہ حضرت علی سے کسی نے پوچھا، آپ کے فہم و حافظہ کا سبب کیا ہے؟ فرمایا جب میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دیا تو جو پانی حلقہ چشم میں جمع ہوتا، اسے میں اپنی زبان سے چوس لیا کرتا اور نگل جایا کرتا تھا۔ لہٰذا اپنی قوت حافظہ اسی کی برکت سے میں جانتا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ حضرت علی اور فضل، دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دیا اس وقت حضرت علی کو ایک ندا آئی کہ اپنی نگاہ آسمان کی طرف کرو۔ یہ "الشفاء" میں مذکور ہے۔

کفن مبارک

جب یہ حضرات آپ کے غسل سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے جسم اطہر کو خشک کیا پھر وہ کیا جو موتی کے ساتھ کرتے ہیں، پھر تین کپڑوں کا کفن دیا۔ دو کپڑے تو سفید تھے اور ایک یمنی چادر تھی۔ الاکتفاء میں ہے کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ دو کپڑے اور ایک چادر تھی، فرمایا چادریں لائے تو تھے لیکن انہیں واپس کر دیا تھا اور ان کا کفن نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو ریطہ (ہلکی چادر) اور ایک نجرانی چادر کا کفن دیا گیا۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روئی کی تین سفید سحولی چادروں کا کفن دیا گیا۔ سحولی یمن کے ایک شہر کا نام ہے۔ اس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ فرماتی ہیں، میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علالت کے زمانہ میں ان کے پاس گئی، میں نے آپ کے اس کپڑے کو دیکھا جس میں آپ علیل تھے اور اس میں زعفران کے دھبے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے اس کپڑے کو دھو کر اس میں دو کپڑے زیادہ کر کے مجھے کفن دے دینا۔ میں نے عرض کیا یہ تو پرانا ہے؟ فرمایا، نئے کے لئے مردوں سے زیادہ زندہ حقدار ہے، چونکہ وہ تجارت کرتا ہے اسے بخاری نے بیان کیا۔ اور موطاء ابو عبد اللہ امام مالک بن انس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین یمنی چادروں کا کفن دیا گیا جس میں دو سحاری (دھلی) چادریں تھیں اور ابو داؤد نے بیان کیا کہ تین نجرانی چادریں تھیں۔ الاکلیل میں ہے کہ سات کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سب میں یہ ہے کہ اس میں قمیص اور عمامہ شمار نہ تھا۔ ایک مفرد اور ضعیف حدیث میں ہے، جسے یزید بن ابی زیاد نے روایت کی کہ کپڑوں کو کافور میں بسایا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ مشک میں۔ اسی طرح سیرت مغلطائی میں ہے۔ عروہ کی حدیث میں جو حضرت عائشہ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سحولی کے سفید تین کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ اس کو

نسائی نے بروایت عبدالرزاق وہ معمر وہ زہری وہ عروہ سے بیان کیا' اس پر ائمہ ستہ متفق ہیں، جو ہشام بن عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی اس میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ روئی کے تھے جس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ اور بیہقی کی روایت میں نئے تین سحولی کپڑے ہیں۔ السحولی سین کے زبر اور پیش کے ساتھ ہے۔ نووی نے کہا زبر زیادہ مشہور ہے' اکثر راویوں کی یہی روایت ہے۔ زبر کے ساتھ سحول کی طرف منسوب ہیں' جس کے معنی دھوبی کے ہیں' اس لئے کہ وہ کپڑے دھوتا ہے یا اس سحول کی طرف منسوب ہے جو یمن میں ایک گاؤں ہے' لیکن پیش کے ساتھ بولنا تو یہ سحل کی جمع ہوگی' جس کے معنی سفید و صاف کپڑے ہوں گے جو روئی کے ہی ہوں۔ یہ محاورہ شاذ ہے' کیونکہ یہ جمع کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کسی نے کہا پیش کے ساتھ ایک گاؤں کا نام ہے۔ اور الکرسف کاف کے پیش اور راء کے سکون اور سین مہملہ کے پیش اور فاء کے ساتھ روئی کے معنی میں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکفین کے بارے میں مختلف روایتیں مروی ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان سب میں زیادہ صحیح ہے' اور صحابہ و غیر صحابہ کے اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے۔

بیہقی نے خلافیات میں کہا کہ ابوعبید اللہ یعنی حاکم کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ اور ابنِ عباس اور عائشہ اور ابنِ عمر اور جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکفین کے بارے میں متواتر حدیثیں مروی ہیں کہ تین کپڑے تھے جس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ عبداللہ ابنِ محمد بن عقیل سے وہ ابنِ حنفیہ سے وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سات کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں بیان کیا' اور ابنِ حزم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ابنِ عقیل سے یا بعد والوں میں کسی سے وہم واقع ہوا ہے' اور حدیث کے لفظ کہ "اس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ" کے معنی میں اختلاف ہے۔ صحیح معنی تو یہ ہیں کہ ہرگز کفن میں نہ تو قمیص تھی اور نہ عمامہ۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا جو قمیص اور عمامہ کے علاوہ تھے۔
شیخ تقی الدین ابنِ دقیق العید نے کہا کہ پہلے معنی مراد میں زیادہ ظاہر ہیں۔ امام نووی نے

شرح صحیح مسلم میں بیان کیا کہ پہلے معنی کے جمہور علماء قائل ہیں اور کہا کہ یہی درست ہے جو ظاہر حدیث کا اقتضاء ہے' اور کہا کہ دوسرے معنی ضعیف ہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ کفن میں قمیص اور عمامہ بھی تھا۔ علماء نے کہا کہ حدیث کی تفسیر میں اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا کفن میں قمیص اور عمامہ کا ہونا مستحب ہے یا نہیں؟ چنانچہ علماء نے تین کپڑوں کے ساتھ قمیص اور عمامہ زیادہ کرنے میں اختلاف کیا کیونکہ یہ مل کر پانچ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حنبلی علماء نے تو مکروہ بتایا' اور شافعی علماء نے جائز غیر مستحب کہا' اور مالکی علماء نے اسے مرد و عورت دونوں کے لئے مستحب بتایا' بلکہ عورتوں کے لئے تاکید کرتے ہوئے کہا کہ سات کپڑوں تک زیادتی مکروہ نہیں ہے' اس سے زیادہ بے جا اور اسراف ہے۔ اور علماء احناف نے کہا کہ تین کپڑے یہ ہیں ازار (تہہ بند) قمیص اور لفافہ اور حدیث میں یہ دلالت ہے کہ وہ قمیص جس میں حضور کو غسل دیا گیا تھا کفن دیتے وقت اتار لیا گیا تھا۔ امام نووی مسلم کی شرح میں کہتے ہیں کہ یہی درست ہے جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن وہ حدیث جو سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا' حلہ دو کپڑے اور قمیص جس میں آپ نے وفات پائی تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے حجت قائم کرنی صحیح نہیں' اس لئے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی یزید بن زید ہے۔ اس کے ضعف پر تو محدثین کا اجماع ہے' بالخصوص اس روایت میں جو ثقہ راویوں کی حدیث کے خلاف ہو۔

نماز جنازہ یا درود شریف

حضرت امام محمد سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کی نماز بغیر امام و جماعت کے ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ تنہا تنہا کہ کوئی ان کا امام نہ تھا' گروہ کے گروہ مسلمانوں کے داخل ہوتے اور آپ پر صلوٰۃ پڑھتے اور چلے جاتے' بس جب وہ صلوٰۃ پڑھ چکتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے جنازہ اور اہلِ

جنازہ کو چھوڑ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی اور عباس اور بنو ہاشم نے صلوٰۃ پڑھی، اس کے بعد مہاجرین، پھر انصار پھر اور لوگوں نے آپ پر تنہا تنہا کہ کوئی ان کا امام نہ تھا، صلوٰۃ پڑھی۔ اس کے بعد عورتیں پھر بچے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اس کی وصیت فرمائی تھی کہ سب سے پہلے جو مجھ پر صلوٰۃ پڑھے گا وہ میرا رب، پھر جبریل پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت مع اپنے لشکر کے پھر فرشتے پھر تم سب گروہ در گروہ، آخر حدیث تک، اس حدیث میں ضعف ہے، بلکہ وہ دعا مانگتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ ابنِ ماجشون کہتے ہیں۔ جب یہ پوچھا گیا، کتنی بار آپ پر صلوٰۃ پڑھی گئی، کہا (۷۲) بہتر مرتبہ۔ پھر کسی نے کہا تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ کہا اُس صندوق سے جسے امام مالک نے اپنے ہاتھ کا لکھا چھوڑا تھا۔ نافع نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی، اسی طرح سیرت مغلطائی میں ہے۔ ابنِ ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جب تجہیز سے منگل کے دن فارغ ہو گئے تو آپ کو اُس سریر (چارپائی) پر رکھا جو آپ کے کاشانہ اقدس میں تھا، پھر لوگ گروہ در گروہ آتے تھے، اور صلوٰۃ پڑھتے جاتے تھے۔ جب سب فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں، یہاں تک کہ وہ فارغ ہوئیں تو بچے گئے۔ آپ کی صلوٰۃ پر کسی نے امامت نہ کی۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے صلوٰۃ پڑھی وہ ملائکہ کی جماعتیں تھیں، پھر اہلِ بیت، پھر لوگوں کی جماعتیں، پھر آخر میں عورتوں نے، مروی ہے جب اہلِ بیت نے صلوٰۃ پڑھی تو لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کیا پڑھیں؟ تب اُنہوں نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ آپ نے اُن سے کہا کہ حضرت علی سے دریافت کرو۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا یہ پڑھو:

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما لبیک اللھم ربنا وسعدیک صلوات اللہ البر الرحیم الملئکۃ المقربین والنبیین	یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی اُن پر درود و سلام بھیجو۔ ہم حاضر ہیں۔ اے اللہ! ہمارے رب ہم حاضر ہیں، اللہ کی رحمتیں ہوں جو نیکوکار اور مہربان ہے اور مقرب فرشتوں، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں،

والصدیقین والشھداء والصلحین وما سبح لک من شیٔ یارب العالمین علی محمد بن عبداللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الشاھد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وعلیہ السلام۔

صالحوں اور وہ جو پاکی سے تیرا نام لیں، اے رب العالمین سب کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو حضور محمد بن عبداللہ خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین، جو حاضر و ناظر اور بشارت دینے والے، تیرے حکم سے تیری طرف بلانے والے روشن چراغ پر اور آپ پر سلام ہو۔

شیخ زین الدین مراغی نے اپنی کتاب تحقیق النصرۃ میں اسے بیان کیا۔

کیفیت تدفین و قبر مبارک

مدینہ منورہ میں دو شخص گورکن تھے، ایک بغلی قبر کھودتا اور دوسرا صندوقی قبر کھودتا تھا۔ حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دونوں کو بلایا اور کہا کہ تم میں سے ایک تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس جائے یہ گورکن مکہ والوں کے لیے قبریں تیار کیا کرتا تھا۔ اور دوسرے کو کہا کہ تم ابو طلحہ انصاری کے پاس جاؤ، یہ گورکن مدینہ والوں کے لیے قبریں تیار کرتا تھا، اس کے بعد حضرت عباس نے دعا کی کہ اے خدا! تو اپنے رسول کے لیے بہتر کر، پس وہ دونوں گئے، جو شخص حضرت ابو عبیدہ کی طرف گیا تھا، اُسے وہ نہیں ملے اور جو شخص ابو طلحہ کے پاس گیا تھا اُسے وہ مل گئے۔ پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر بغلی تیار کی۔

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں آپ کے دفن کی جگہ میں اختلاف رونما ہوا کہ مکہ میں مدفون ہوں یا مدینہ میں بقیع کے اندر یا قدس میں؟ یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر نبی اُسی مقام پر دفن کیا گیا جہاں اُس نے وفات پائی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اُسی جگہ وفات دی جو جگہ اُسے محبوب ہو کہ وہیں دفن کیا جائے، لہٰذا حضور کے بستر کو ہٹا کر وہیں بستر کے نیچے قبر تیار کرو۔

حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عباس اور اُن کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم حضور کی قبر انور میں اُترے۔ یہ حضرت قثم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات میں آخری تھے، اس لیے کہ یہ سب سے آخر میں حضور کی قبر انور سے باہر نکلے، لیکن مغیرہ کا وہ قصہ کہ اپنی انگوٹھی کو قبر شریف میں ڈال دینا اور اُس کے نکالنے کے لیے آخر میں اُترنا، تو یہ صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام شقران اور اوس بن خولی جس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے علی! میں تم سے اللہ کے واسطے اپنا حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانگتا ہوں؟ حضرت علی نے اُن سے کہا اُتر آؤ۔ پس وہ ان حضرات کے ساتھ اُترے اس طرح یہ کل پانچ تھے۔

ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کی قبر شریف میں، حضرت علی، عباس، عقیل بن ابی طالب، اُسامہ بن زید، ابن عوف اور اوس بن خولی اُترے۔

یہی وہ حضرات تھے جو حضور کی تکفین کے ذمہ دار تھے لیکن یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قبر شریف میں اُتارا جا رہا تھا تو شقران نے سرخ رنگ کی نجرانی چادر جو خیبر کے دن ملی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوڑھتے اور بچھاتے تھے، لے کر حضور کے نیچے بچھا دی، وہ چادر آپ ہی کے ساتھ قبر شریف میں دفن ہو گئی، اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم! آپ کے بعد کوئی اس کو اوڑھ نہیں سکتا تھا۔ اور آپ کی قبر شریف میں کچی اینٹیں لگائی گئیں۔

کسی نے کہا کہ وہ نو اینٹیں تھیں۔ کسی نے بیان کیا کہ جب اینٹیں رکھی جا چکیں تو وہ چادر نکال لی تھی۔ یہ ابو عمر اور حاکم کا قول ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ امام شافعی اور ان کے تمام اصحاب وغیرہ علماء نے صاف کہا کہ میت کے نیچے قبر میں مخملی چادر وغیرہ کا

بچھانا مکروہ ہے۔ اور ہمارے اصحاب میں سے صرف بغوی نے علیحدگی اختیار کی ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کی حجت یہی حدیث ہے' اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ مکروہ ہے' جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ علماء اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ کام تنہا شقران کا تھا' اور صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کی موافقت نہیں کی۔ اور شقران نے اُسی مصلحت سے بچھادی تھی جو ہم نے بیان کی اُسے یہ بات ناپسند تھی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے بعد کوئی اسے استعمال کرے' انتھی۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قبر شریف میں نو اینٹیں رکھنے کے بعد اُس چادر کو نکال لیا گیا' جیسا کہ سیرت مغلطائی میں ہے' پھر آپ کی لحد شریف پر مٹی ڈال کر قبر انور کو مسطح کر دیا گیا۔

اور مشکوٰۃ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے آپ کی قبر انور پر پانی چھڑکا وہ حضرت بلال ابن رباح تھے۔ انہوں نے ایک مشک لے کر سرہانے سے پائنتی تک پانی چھڑکا۔ بیہقی نے اسے "دلائل النبوۃ" میں ذکر کیا۔

سفیان بن تمار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور کی قبر انور کو مسنّم یعنی کوہان نما دیکھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابی بکر بن عیاش کی حدیث سے ہے کہ انہوں نے آپ کی قبر انور کو مسنّم یعنی اونچا کوہان نما دیکھا۔ ابو نعیم نے مستخرج میں اتنا زیادہ کیا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں بھی ایسی ہی ہیں۔ اسی سے یہ استدلال کیا گیا کہ قبروں کو مسنّم کوہان نما بنانا مستحب ہے' یہی قول امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام احمد' مزنی اور اکثر شوافع رحمہم اللہ کا ہے۔ اور کچھ قدیم شوافع نے مسطح قبر کو مستحب جانا' ممکن ہے کہ پہلے مسطح ہو۔

ابو داؤد و حاکم نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قاسم بن محمد کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی قبر شریف اور آپ کے دونوں مصاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں کھولی تھیں' یہ کل تین قبریں تھیں' یہ نہ تو بہت اونچی اور نہ بہت پست زمین سے ملی ہوئیں' میدان کے سرخ رنگ کے پتھروں سے چنی ہوئیں۔ اور ایک میں ہے کہ وہ پتھر سرخ و سفید ہیں' اور آپ کی قبر انور زمین سے بقدر ایک بالشت بلند ہے۔ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کے زمانہ

میں ہوا۔ گویا کہ یہ پہلے مسطح تھیں، اس کے بعد جب عمر بن عبدالعزیز کی امارت کے زمانہ میں جبکہ وہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ منورہ میں امیر تھے، قبرانور کی دیواریں اُٹھائی گئیں تو اس وقت قبر شریف کو اُونچا کیا گیا۔ اس کے بعد اس میں اختلاف پیدا ہوا کہ مسطح افضل ہے یا مسنّم۔ دراصل دونوں جائز ہیں، مگر مسطح کو ترجیح ہے، کیونکہ امام مسلم نے فضالہ بن عبید کی حدیث روایت کی کہ وہ ایک قبر کے پاس آئے تو برابر کر دی، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سماعت کی ہے کہ آپ برابر کر دینے کا حکم فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبرانور سب سے آگے ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبر حضور کے سر مبارک کے نزدیک مونڈھون کے مقابل اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر دونوں پائنتی اس طرح ہے۔

قبر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قبر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلاصۃ الوفاء میں علامہ سمہودی نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور رزین نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مقدم ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر مبارک کے نزدیک مونڈھوں کے مقابل اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں آگے نکل گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیچے اس طرح پر ہے:

قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قبر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حجرہ مبارکہ میں قبور شریفہ کی ترتیب و کیفیت میں سات نوعیت کا اختلاف ہے۔ جن کو ہم نے "الاصل" میں دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے، لیکن وہ نوعیت جن پر اکثر کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل قبلہ کی جانب یعنی دیوار بجانب کے متصل ہے جیسا کہ بیان ہوا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف آپ کے دوش مبارک کے مقابل ہے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف ان کے دوش مبارک کے محاذ پر ہے۔ "خلاصۃ الوفا" میں اس طرح نقشہ دیا ہے۔

قبر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

قبر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس آخری علالت کے زمانہ میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر شریف کھلی رکھی جاتی، مگر ڈرے یا ڈرائے گئے، شکِ راوی

ہے کہ یہ صیغہ مجہول ہے یا معروف کہ لوگ مسجد بنالیں۔ بصیغۂ مجہول کی بنا پر تو ضمیر اس میں شان کی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے یہ عمل اپنے اجتہاد سے کیا، اور بصیغۂ معروف یہ مطلب نکلتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے اور ابرز قبرہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی قبرانور کھلی ہوئی ہوتی، اور کوئی دیوار وغیرہ حائل نہ ہوتی۔ مقصد یہ ہے کہ گھر سے باہر دفن کئے جاتے اور اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسجد کی توسیع سے پہلے فرمایا کرتی تھیں۔ اسی بنا پر جب مسجد کی توسیع کی گئی تو ان کے حجرہ کو مثلث شکل میں محدود کر دیا، تاکہ کسی کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قبرانور کے سامنے نماز پڑھ سکے۔ مورخین نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ اس حجرہ میں شرقی کونے کی جانب ایک قبر کی جگہ خالی ہے، جس میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دفن ہوں گے۔

تدفین کا وقت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دفن کرنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دفن کی ہمیں خبر نہ ہوئی، یہاں تک کہ منگل کے دن صبح کے وقت پھاوڑے، (مساحی) کی آواز سنی۔ اور موطا میں ہے کہ امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیر کے دن وصال فرمایا اور منگل کے دن دفن کئے گئے۔ ترمذی نے بیان کیا کہ رات کے وقت اُسی جگہ جہاں وصال ہوا۔ محمد ابن اسحٰق سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو شنبہ کو وفات پائی، اُس روز اور منگل کی رات تک ٹھہرے رہے، اور بدھ کی رات کو دفن کئے گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ منگل کے دن بعد زوال آفتاب دفن کئے گئے۔

شعبی کی کفایہ میں ہے لوگوں نے بدھ کے دن صلوٰۃ پڑھی، پھر دفن کئے گئے۔ اب اگر تم یہ اعتراض کرو کہ کس وجہ سے تدفین میں تاخیر ہوئی؟ حالانکہ حضور نے اپنی

اہلِ بیت سے اُن کے موتی کے لیے فرمایا، جبکہ انہوں نے دیر لگائی تھی کہ اپنے موتی کے دفن میں جلدی کیا کرو دیر نہ لگایا کرو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب آپ کی وفات پر اُن کا عدم اتفاق ہے جیسا کہ مذکور ہوا، یا یہ کہ جائے تدفین میں ان کا اختلاف تھا یا یہ کہ حضرات اس خلاف میں مصروف تھے جو مہاجرین و انصار میں پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ وہ امر خلافت جو دین کے اہم اُمور میں سے تھا، طے ہو گیا، اور سب نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ اس کے بعد ان سب نے دوبارہ پھر مجمع عام میں بیعت کر لی۔ تب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی تدفین کی طرف متوجہ ہوئے، لہٰذا ان حضرات نے غسل دیا، کفن دیا اور دفن کر دیا۔ واللہ اعلم۔

دارمی میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے کہ انہوں نے کہا میں نے اس دن سے زیادہ روشن واحسن نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں (مدینہ منورہ) تشریف لائے، اور میں نے اس دن سے زیادہ برا اور تاریک دن نہ دیکھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

ترمذی میں بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ دن ہوا جس دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو وہاں کی ہر چیز منور ہو گئی اور جب وہ دن آیا جس دن آپ نے وصال فرمایا تو وہاں کی ہر چیز تاریک ہو گئی۔ ابھی ہم نے اپنے ہاتھوں سے مٹی نہ جھاڑی تھی اور دفن میں مصروف تھے کہ ہمارے دل پھر گئے۔

گریہ وزاری

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم دفن کیے جا چکے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زیارت کے لیے آئیں تو کہنے لگیں، تمہارے دلوں نے کیسے قبول کر لیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم پر مٹی ڈالو۔ بخاری نے اسے بیان کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ کے دفن سے فارغ ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور کہنے لگیں، اے ابوالحسن! تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کردیا؟ کہاں کہ ہاں! فرمانے لگیں، تمہارے دل نے کیسے گوارا کرلیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ کیا آپ نبی الرحمتہ نہ تھے؟ فرمایا ہاں، تھے تو سہی لیکن حکمِ الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے۔ پھر بیٹھ کر رونے لگیں اور فرماتیں یاابتاہ (اے اباجان) وارسول اللہ وانبی الرحمۃ اب وحی نہیں آئے گی، اب ہم سے جبریل جدا ہوگئے۔ اے خدا میری روح کو حضور کی روح کے ساتھ ملحق فرمادے اور آپ کے چہرۂ انور کے دیدار سے سیراب کردے اور بروز قیامت مجھے آپ کے اجر و شفاعت سے محروم نہ کرنا۔

ایک روایت میں ہے کہ تربت اطہر کی مٹی ہاتھ میں لے کر سونگھی، پھر یہ شعر پڑھا۔ (ترجمہ) اُسے کیا مضائقہ جس نے حضور کی تربت کی مٹی سونگھی، پھر وہ ہمیشہ کبھی خوشبو نہ سونگھے۔ میرے اوپر وہ مصیبتیں آپڑی ہیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں، تو راتیں ہو جاتیں۔ الاکتفاء۔

جو شعر حضرت علی یا حضرت فاطمہ کی طرف منسوب ہیں وہ یہی دونوں شعر ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور علالت کی وجہ سے ضعیف ہوگئے اور اٹھنا دشوار ہوگیا تب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا! ہائے باپ کی تکلیف! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے باپ کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہے۔ جب حضور نے وفات پائی تو کہا اے والد ماجد آپ کا مسکن تو جنت الفردوس ہے۔ ہائے والد ماجد جبریل سے خبر وفات سنی۔

پھر جب حضور دفن کئے گئے تو کہا اے انس! تمہارا دل اس پر راضی ہوگیا کہ تم رسول اللہ پر مٹی ڈالو۔ اسے صرف بخاری نے بیان کیا اور طبرانی نے اتنا زیادہ کہا "اے والد ماجد اپنے رب سے کتنے قریب ہوگئے۔"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف چھ (۶) مہینے حیات رہیں اور اس مدت میں آپ کبھی نہ ہنسیں اور حق یہ ہے کہ انہیں یہی سزاوار تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر گیا، اُس وقت وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے رو کر یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔ (ترجمہ) اے وہ نبی جو جو کی روٹی سے بھی کبھی شکم سیر نہ ہوئے۔ اے وہ نبی جو چٹائی کو تخت پر پسند فرمائیں۔ اے وہ نبی جو تمام رات کبھی نہ سوئے دوزخ کے مالک کے خوف سے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد آئے، تو انہوں نے اپنا منہ حضور کے چشمہائے مبارک پر اور اپنے ہاتھ حضور کی کنپٹیوں پر رکھ کر کہا، ہائے نبی، ہائے خلیل، ہائے صفی، اور روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت ابوبکر آئے اور حضور کے پاس پہنچ کر پردہ اُٹھایا، چہرۂ انور سے کپڑا اُٹھا کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، پھر کہا خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی، پھر سرہانے کی طرف جا کر کہا کہ ہائے نبی۔ پھر منہ جھکا کر حضور کی پیشانی کا بوسہ لیا، پھر سر اُٹھا کر کہا، ہائے خلیل، پھر سر جھکا کر پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا، ہائے صفی پھر اپنا سر جھکا کر پیشانی کا بوسہ لیا، اس کے بعد کپڑا ڈھک دیا اور باہر چلے گئے۔

ابو العباس قصاب نے بوصیری کے "قصیدۂ بردہ" کی شرح میں کہا جب حضرت عمر فاروق کو حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی وفات پر یقین آیا اور اپنے قول سے رجوع کیا، تو اس وقت رو کر کہا میرے ماں باپ قربان! اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم! بے شک وہ کھجور کا ستون جس پر آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر لوگوں کی زیادتی کے وقت آپ نے سنانے کے لیے منبر بنایا تھا تو آپ کے فراق میں وہ روتا تھا، یہاں تک کہ آپ نے اپنا دست مبارک رکھا۔ تب وہ ساکن ہوا تھا تو آپ کی امت آپ کے فراق میں رونے کی زیادہ سزاوار ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بلاشبہ خدا کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت معلوم ہے کہ اُس

نے آپ کی طاعت کو اپنی طاعت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اُس نے بے شک اللہ کی اطاعت کی۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم بلاشبہ آپ کی فضیلت خدا کی بارگاہ میں معلوم ہے کہ آپ کی بعثت تو تمام نبیوں کے بعد ہے، مگر آپ کا ذکر سب سے پہلے ہے۔ فرمایا لقد اخذنا من النبیین میثاقھم.... الآیہ۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! خدا کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت معلوم ہے کہ جہنمی تمنا کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے، حالانکہ وہ طبقات جہنم میں عذاب پا رہے ہوں گے۔ کہیں گے کاش ہم اللہ کی اطاعت کرتے اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ ابوالجوزاء نے کہا کہ ایک مدنی شخص تھا جب اُسے کوئی مصیبت پہنچتی تو اُس کا بھائی آکر اُس سے مصافحہ کرتا اور کہتا اے عبداللہ! اللہ سے ڈر، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی پیروی میں عمدہ خصلت ہے۔ کسی شاعر نے کہا (ترجمہ) "ہر مصیبت پر تحمل کر اور جان لے کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ اور صبر کر جیسا بزرگوں نے صبر کیا ہے کیونکہ مصیبت ایک ایسی سختی ہے، جو آج ہے اور کل جاتی رہے گی۔ اور جب تم مصیبت میں مبتلا ہو اور اُس سے غمگین ہو تو اپنی مصیبت کو نبی اکرم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم) کی مصیبت سے بدل دو۔"

دوسرے شاعر نے کہا (ترجمہ) "مجھے وہ وقت یاد ہے، جب زمانہ نے ہم میں جدائی کر دی تھی۔ اس وقت میں نے اپنی جان کی تعزیت حضور سے کی۔ اور میں نے اپنی جان سے کہا موت تو ہماری راہ ہے۔ لہٰذا جو شخص آج نہیں مرا تو کل مر جائے گا۔"

مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی وفات کے بعد جب اذان دیتے اور کہتے اشھدان محمدا رسول اللہ تو مسجد گریہ و زاری سے گونج جاتی۔ جب حضور کی تدفین ہو گئی تو حضرت بلال نے اذان دینی ترک کر دی۔ (ترجمہ) اگر فراق کا ذائقہ رضوی پہاڑ چکھتا تو یقیناً وہ اپنی جگہ سے ہل جاتا۔ مجھ پر شوق کا عذاب اتنا ڈال دیا کہ لوہا اس کی برداشت سے عاجز آ گیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا

نے بکثرت نوحہ میں اشعار کہے چنانچہ کہتی ہیں (ترجمہ) "ہاں اے اللہ کے رسول! آپ ہماری آرزو تھے، اور ہم پر احسان فرماتے، کبھی ظلم نہیں کرتے تھے۔ آپ رحیم، ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے۔ آج آپ پر ہر رونے والا خوب روتا ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ کی قسم! میں ایک میں ہی آپ کے فراق میں نہیں رو رہی ہوں، لیکن مجھے آپ کے آئندہ فراق نے ڈرا دیا۔ گویا میرا دل آپ کے ذکر سے بھرپور ہے۔ مجھے خوف ہے اُن حوادث کا جو آپ کے بعد پہنچیں گے، میں کیونکر صبر کروں۔ اللہ تعالیٰ جو حضور کا رب ہے، رحمت نازل کرے۔ اُس پر جس نے یثرب[1] (طیبہ) میں جگہ لی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم پر میری ماں خالہ، چچا اور ماموں اس کے بعد میری جان و مال قربان۔ اگر پروردگار عالم حضور کو باقی رکھتا تو ہم بہت خوش ہوتے، مگر اُس کا حکم تو پورا ہونا ہی ہے۔ اللہ کی جانب سے سلام و تحیت آپ پر ہو اور آپ جنت کے باغوں میں خوش و خرم رہیں۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور کے چچازاد بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہ نوحہ کہا ہے (ترجمہ) میری نیند جاتی رہی، میرا غم لازوال ہے۔ اور مصیبت زدہ کی رات طویل ہوا کرتی ہے۔ رونے نے میری مدد کی اور یہ اس مصیبت سے جو مسلمانوں پر پڑی ہے، کم ہے۔ بلاشبہ ہماری مصیبت بڑی اور ظاہر ہے۔ اس رات سے جس میں کسی نے کہا کہ رسول اللہ نے وفات پائی۔ اور ہماری زمین اس مصیبت سے جو اس کو ڈھانپ لے۔ ایسی ہو گئی کہ قریب ہے اس کے کنارے پر ہم جھک پڑیں۔ یقیناً ہم نے گم کر دیا۔ اُس وحی و تنزیل کو جو جبریل صبح و شام لے کر ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اور یہی زیادہ سزاوار ہے۔ اے جس پر یہ مصیبت پڑی کہ ان کے دل بہہ جائیں یا آئندہ بہا کریں۔ یہ نبی اس شان کے تھے کہ ہم سے شک مٹا دیا کرتے تھے، اُس وحی کے ذریعہ جو آپ پر اُترتی اور اپنے ارشاد سے۔ اور جو ہمیں ہدایت فرماتے، پھر گمراہی کا خطرہ نہ رہتا۔ یہ رسول ہمارے رہبر تھے۔ اے فاطمہ! اگر تم بے قرار ہو، تو تم معذور رہو اور اگر تم صبر کرو، یہ اچھی راہ ہے۔ تمہارے والد ماجد کی قبر انور تمام قبروں کی پیشوا ہے کیونکہ

[1] حدیث میں یثرب کہنے کی ممانعت وارد ہے طیبہ کہا جائے۔ ۱۲ رضوی۔

اس میں لوگوں کے سردار رسول مکرم ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نوحہ پڑھا۔ شعر (ترجمہ) جب میں نے اپنے نبی کو بے حس و حرکت دیکھا تو کشادگی کے باوجود تمام گھر مجھ پر تنگ ہو گیا۔ اس وقت میرا دل مرجانے کو چاہتا تھا۔ اب میری ہڈیاں تا زیست شکستہ رہیں گی۔ اے عتیق! تیرا محبوب افسوس گزر گیا۔ اب تجھے تمام زندگی صبر ہی کرنا ہے۔ اے کاش! میں اپنے آقا کی رحلت سے پہلے ہلاک ہو جاتا۔ میں قبر میں پوشیدہ ہوتا اور میرے اوپر پتھر ہوتے۔ یقیناً آپ کے بعد وہ حوادث رونما ہوں گے جن سے پسلیاں اور سینے گھٹ جائیں گے۔

نیز یہ نوحہ بھی کہا (ترجمہ) وحی نے ہمیں چھوڑ دیا' جب سے آپ ہم سے جدا ہوئے۔ اب ہم اللہ کے کلام سے محروم ہو گئے۔ بجز اُس کلام کے جو آپ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں' جو مکرم کاغذوں پر مشتمل ہے۔

حضرت حسان نے یہ پڑھا (ترجمہ) ہماری آنکھوں کی روشنی آپ ہی تھے' اب آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں ناامید ہو گئیں۔ آپ کے بعد اب جو چاہے مرے' مجھے تو آپ کی موت کا خوف تھا۔

میراث و ترکہ اور اُس کا حکم!

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے بوقت رحلت روپیہ پیسہ اور غلام وغیرہ کچھ نہ چھوڑا' بجز ایک سفید خچر' ہتھیار اور اُس زمین کے جس کو خیرات کر دیا تھا۔

خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے رحلت کے دن دو (۲) یمنی چادر' ایک عمانی تہ بند' دو (۲) صحاری کپڑے' ایک صحاری قمیص' ایک سحولی قمیص' ایک یمنی جبہ' ایک حاشیہ دار سفید چادر' تین چھوٹی چھوٹی مستعمل ٹوپیاں اور ایک پانچ بالشت لمبا تہ بند اور ورس میں رنگی ہوئی ایک چادر ترکہ میں چھوڑی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء سے ہیں جو ہم چھوڑتے ہیں' اُس میں ورثہ نہیں ہوتا بلکہ صدقہ ہوتا ہے۔ اور آپ نے فرمایا میرے ورثہ روپیہ

تقسیم نہیں کریں گے، اپنی ازواج کے نفقہ اور عیال کے خرچہ کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور فرمایا، تمہارا وارث کون ہے؟ فرمایا میری اولاد اور میری اہل۔ تب حضرت فاطمہ نے کہا، پھر کیوں میرے والد کا ورثہ نہیں ملا؟ اُس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا ہے کہ لانورث الحدیث۔ یعنی کوئی ہمارا وارث نہیں۔ لیکن میں اُس کے خرچہ کا ذمہ دار ہوں جس کے خرچہ کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لے لی تھی، میں اُسے خرچ دوں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرچ مرحمت فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور کے ترکہ خیبر، فدک اور مدینہ کے صدقات میں سے میراث مانگی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، ہمارا کوئی وارث نہیں، جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اسی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میراث دینے سے انکار کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے یہ بات گھر کر گئی، پھر اس مطالبہ کو ہمیشہ کے لیے ترک فرما دیا یہاں تک کہ اُن کی وفات ہو گئی۔ پس جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت ہوئی تو اُن کے شوہر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات کے وقت (پردہ کی وجہ سے) دفن کر دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس کی خبر نہ دی، اور اس پر حضرت[1] علی نے نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

---

[1] بخاری شریف میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۱۲ الرضوی۔

کی حیات طیبہ کی وجہ سے لوگوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وجاہت تھی، جب آپ وفات پاگئیں تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے سے کشیدہ دیکھا، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصالحت کر کے ان کی بیعت کرلی، چونکہ حضرت علی نے ان مہینوں تک بیعت نہیں کی تھی اب ان کے بعد بیعت کی، اسی طرح صحیحین میں مروی ہے اور بیہقی نے شعبی سے روایت کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت کے زمانہ میں عیادت فرمائی، اُس وقت حضرت علی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا یہ ابوبکر ہیں جو اجازت طلب کرتے ہیں! حضرت فاطمہ نے فرمایا کیا تم اسے دوست رکھتے ہو کہ میں اُنہیں اجازت دے دوں؟ حضرت علی نے فرمایا، ہاں۔ تب حضرت فاطمہ نے اجازت دے دی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر آئے اور اُن کو خوش کیا۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ خوش ہوگئیں۔ ایسا ہی وفا میں ہے۔ محب طبری کی "ریاض النضرہ۔" میں ہے کہ حضرت فاطمہ کے پاس حضرت ابوبکر پہنچے۔ عذر خواہی میں گفتگو کی، پھر وہ خوش ہوئیں۔ اوزاعی سے مروی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ، حضرت ابوبکر سے ناراض ہوگئی تھیں، پھر حضرت ابوبکر حضرت فاطمہ کے پاس پہنچے، حتیٰ کہ گرمی کے دور میں ان کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے، فرمایا میں اُس وقت تک یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم راضی نہ ہو جائیں، تب وہ راضی ہوگئیں۔ اسے ابنِ سمان نے الموافقہ میں بیان کیا۔ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خلافت فاروقی میں میراث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں منازعت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا، میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہے، بجز اس کے کہ وہ کھالیں، ہمارا کوئی وارث نہیں؟ سب نے کہا، اے خدا! یہی صحیح ہے۔

قبر شریف کی زیارت

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم، قریشی، ہاشمی، مکی، مدنی، ابو القاسم، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم خاتم الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علیہم اجمعین کی قبر شریف کی زیارت مندوب و مستحب ہے۔ مستحبات میں سب سے زیادہ موکد اور عبادات میں سب سے زیادہ فضیلت والی، واجب کے قریب قریب اُس شخص کے لیے جس کو گنجائش اور قدرت ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کا فرمان ہے کہ جس کو وسعت ہو، اور وہ میری زیارت کو نہ آئے، یقیناً اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میری اُمت کا ہر وہ شخص جس کو وسعت ہو، اور میری زیارت نہ کرے تو اللہ کے نزدیک اُس کا کوئی عذر نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا جو شخص میری زیارت کو آیا اور اُس کا مقصود صرف میری ہی زیارت ہو تو میرے اُوپر حق ہے کہ میں بروز قیامت اُس کی شفاعت کروں۔ اسے حافظ ابو علی بن سکن نے روایت کیا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا، جس نے میری قبر انور کی زیارت کی، مجھ پر اُس کی شفاعت واجب ہے۔ ابن عبدالحق نے اسے صحیح بتایا، ان کے والد پر رحمت ہو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ جس نے میری رحلت کے بعد میری زیارت کی، گویا اُس نے میری حیات ظاہری میں میری زیارت کی۔ اس باب میں بکثرت روایتیں مروی ہیں، جس قدر ہم نے بیان کر دی ہیں، کافی ہیں، لہٰذا جب زائر گھر سے چلے اور مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو تو راستہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم پر درود شریف کی کثرت رکھے، کیونکہ اس راہ میں چلنے والے کے لیے فرائض کے بعد درود شریف سے بڑھ کر کوئی عبادت افضل نہیں ہے۔ جب اس کی نظر مدینہ منورہ کے درخت اور حرم پاک پر پہنچے تو درود و سلام میں زیادتی کرے، اور دعا مانگے کہ دنیا و آخرت میں اس زیارت کی برکت سے منتفع ہو کر سعادت مندی نصیب فرمائے اور یہ کہے کہ اللھم ان ھذا حرم

رسولک فاجعلہ لی وقایۃ من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب۔ یعنی اے خدا! یہ تیرے رسول کا حرم ہے اس کو میرے لیے نار جہنم سے پناہ اور عذاب آخرت اور بُرے حساب سے امن کا سبب بنادے۔ اور مستحب ہے کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرے اور اچھے عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو ملے، اور جس قدر آسان ہو، صدقہ کرے، پھر یہ پڑھتے ہوئے داخل ہو۔ بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع اور اللہ کے رسول کی ملت پر، اے رب سچائی کی جگہ مجھے داخل کر اور سچائی کی جگہ مجھے نکال اور بنادے اپنی طرف سے غالب مددگار۔" پس جب مسجد کے دروازہ پر پہنچے تو اپنا داہنا پاؤں داخل کر کے پڑھے اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک وفضلک۔ یعنی اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت و فضل کے دروازے کھول دے۔ اور جب روضہ مقدسہ کا قصد کرے، یہ روضہ آپ کے منبر شریف اور آپ کی قبر شریف کے درمیان مسجد کا حصہ ہے جسے روضۃ من ریاض الجنۃ (یعنی جنت کے باغ کی ایک کیاری) کہا جاتا ہے، تو وہاں مصلائے نبوی پر تحیۃ المسجد ادا کرے، اگر میسر ہو ورنہ روضہ کے دوسرے حصہ میں یا مسجد میں کسی جگہ پڑھے، پھر یہاں تک یعنی اس بقعہ شریفہ تک پہنچنے پر سجدۂ شکر ادا کرے۔ نماز و تلاوت کے ماسوا سجدہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، پھر قبول زیارت کے ساتھ اتمام نعمت کی دعا مانگے۔ اس کے بعد قبر شریف کے پاس آئے اور حضور کے سر مبارک کی طرف منہ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو اور جالی شریف کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے اور نہ اُسے بوسہ دے، کیونکہ یہ اور اس کے علاوہ اور ایسی حرکتیں جاہلوں کا طریقہ ہے، یہ سلف صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ دیوار شریف سے تین چار گز کے فاصلے سے کھڑا ہو، پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حضور قلب کے ساتھ پست آواز اور سکون اعضاء سے یہ پڑھے۔ آپ پر سلام ہو اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام ہو اے نبیوں کے خاتم۔ آپ پر

سلام ہو اے چمکتی پیشانی والوں کے لیے چلنے والے۔ آپ پر سلام ہو اے وہ رسول جس کو اللہ نے سارے جہان کی رحمت کر کے بھیجا۔ آپ پر سلام ہو اور آپ کی اہلِ بیت و ازواج مطہرات اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ آپ پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے بندہ اور اُس کے رسول، اُس کے امین اور اُس کی تمام مخلوق کے برگزیدہ ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ نے رسالت کی تبلیغ فرمائی، امانت کو ادا کیا، اُمت کو نصیحت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا، اور آپ نے اپنے رب کی عبادت اُس وقت تک کی کہ آپ کو وفات آ گئی۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ اُس سے افضل جزاء مرحمت فرمائے جو کسی نبی کو اُس کی امت کی طرف سے جزا دی ہو۔ اے خدا، ہمارے سردار محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر اور ہمارے سردار محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی آل پر ویسا ہی درود بھیج جیسا کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آل پر عالم کے لوگوں میں درود بھیجا، اور برکت فرما ہمارے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پر جیسے برکت کی تو نے سیدنا ابراہیم پر اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آل پر، بے شک تو ہی حمد والا برتر ہے۔

اے خدا! تو نے فرمایا اور تیرا فرمان حق ہے کہ اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، آپ کے پاس حاضر ہوں، پھر وہ اللہ سے مغفرت چاہیں، اور یہ رسول بھی اُن کے لیے مغفرت کریں، تو یقیناً اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا پائیں گے۔ اے خدا بے شک ہم نے تیرا فرمان سنا اور تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرے نبی کے دربار میں حاضر ہوئے کہ ہمارے گناہوں کی تیرے یہاں شفاعت کریں، اے خدا! ہم پر رحمت سے رجوع کر اور آپ کی زیارت کی برکت سے نیک بخت بنا اور آپ کی شفاعت میں ہمیں داخل کر۔ یارسول اللہ! ہم آپ کے دربار میں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رؤف و رحیم رکھا، پس آپ اُس کی شفاعت کریں گے جو آپ کے پاس اپنی جان پر

ظلم، اپنے گناہوں کا اقرار، اپنے رب سے توبہ کرتا ہوا حاضر آیا۔
کسی شاعر نے ان شعروں کو کہا اور بعضوں نے مناسک کے رسالوں میں بیان کیا ہے۔ شعر (ترجمہ)
"برتر اُن لوگوں سے جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن ہوئیں، پھر اُن کی خوشبو سے ہموار زمین اور چٹانیں معطر ہو گئیں۔ میری جان اُس قبرانور پر قربان جس میں آپ سکونت پذیر ہیں۔ اسی میں پارسائی ہے، اور اسی میں سخاوت و کرم ہے۔ آپ وہ شفیع ہیں جن کی شفاعت کی اُمید کی گئی ہے، اُس صراط پر جبکہ قدم ڈگمگانے لگیں گے۔"
پھر اپنے لیے اور اپنے والدین، اعزا و احباب کے لیے دعا مانگیں، کیونکہ آپ کی بارگاہ میں ہر دعا مقبول ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنی کتاب "تاریخ مدینہ المسمی بہ جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں مدینہ طیبہ سے واپسی اور اس کی راہ میں چلنے کے آداب، اور مدینہ طیبہ میں داخلہ، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے آداب، اور اس شہر مبارک میں اقامت کے آداب تفصیل سے بیان کئے ہیں، ان کو وہاں ضرور دیکھنا چاہیے۔

خواب میں دیدار سرکار ابد قرار

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں رویت و دیدار پر اس مضمون کو ہم ختم کرتے ہیں، اور جو کچھ اس سلسلہ میں گفتگوئیں ہیں، اُنہیں بھی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اتمام کی توفیق مرحمت فرماتا ہے، اُس کے ہاتھ میں مقصود کی باگیں ہیں۔
مواہب لدنیہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت میں یہ ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا یقیناً اُس نے حق دیکھا، کیونکہ شیطان آپ کی شبیہ اختیار نہیں کر سکتا۔ مسلم میں قتادہ کی ایک روایت ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، بے شک اُس نے حق دیکھا اور مسلم میں حضرت جابر کی یہ حدیث بھی ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا یقیناً اُس نے مجھ ہی کو دیکھا، کیونکہ شیطان کے

اختیار میں نہیں ہے کہ وہ میری شبیہ اختیار کر سکے۔ بخاری میں حضرت ابو سعید کی حدیث ہے کہ شیطان مجھ جیسا نہیں ہو سکتا، یعنی میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو فعل سے ملا دیا گیا۔ بخاری میں ابو قتادہ کی حدیث ہے کہ وہ میری صورت پر دکھائی نہیں دے سکتا۔ معنی یہ کہ اُس کی یہ طاقت ہی نہیں کہ میری مماثلت کر سکے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو مختلف صورتیں بدلنے کی طاقت دی ہے جس صورت کو وہ چاہے مگر یہ اُس کی طاقت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صورت مبارک کی ہم شبیہ بن سکے، لہٰذا ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ مقام کا اقتصار یہ ہے کہ جب دیکھنے والا آپ کا دیدار کرتا ہے تو وہ اُسی صورت کریمہ کو دیکھتا ہے، جس پر آپ اپنی حیات ظاہری میں تھے، حتیٰ کہ بعضوں نے اس مقام پر اتنی تنگی اختیار کی ہے اور کہا ہے، لازمی ہے کہ وہ آپ کی اسی صورت مبارکہ کو دیکھے جس پر آپ نے وصال فرمایا ہے، یہاں تک کہ اُن سفید بالوں کی گنتی بھی معتبر ہوگی۔ جو بیس (۲۰) تک نہیں پہنچے تھے۔ حماد بن زید سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب بھی محمد بن سیرین سے کوئی بیان کرتا کہ اُس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ہے، تو کہتے کہ اس صورت کی جو دیکھی ہے، کیفیت بیان کرو، پس اگر وہ ایسی کیفیت بیان کرتا جس کو وہ نہیں جانتے تھے، تو کہتے تم نے دیدار نہیں کیا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

حاکم نے عاصم بن کلیب کی سند سے بیان کیا کہ مجھ کو میرے والد نے حدیث سنائی کہا کہ میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا ہے، فرمایا، کیفیت بیان کرو۔ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ذکر کر کے اُن کی مشابہت بیان کر دی۔ فرمایا بے شک تم نے دیدار کیا، اس کی سند جید ہے، لیکن معارض وہ روایت ہے جو ابنِ عاصم دوسری سند سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا یقیناً اُس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ میں ہر صورت میں نظر آ سکتا ہوں۔ اس روایت

کی سند میں ابنِ ثوامہ ہے جو بسبب مختل ہونے حواس کے ضعیف ہے اور یہ روایت اُس وقت کی ہے جب ابنِ ثوامہ مختل الحواس ہوگئے تھے۔ اس کے بعد سنی ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کا دیدار صفات معلومہ کے ساتھ ہونا ادراک حقیقی ہے اور غیر صفات معلومہ کے ساتھ دیکھنا ادراک مثالی ہے۔ درست بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو زمین متغیر نہیں کرتی، لہٰذا ذات کریم کا دیکھنا تو حقیقی ہے، اور صفات کا ادراک مثال کا دیکھنا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ حضور کا ارشاد "جس نے مجھے دیکھا یقیناً اُس نے حق دیکھا۔" کا مطلب یہ ہو کہ جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کا دیدار اُس صورت معروفہ کے ساتھ کیا جو آپ کی حیات ظاہری میں تھی، تو یہ دیدار برحق ہے، اور جس نے اس کے علاوہ اور کسی صورت پر دیکھا تو دیدار تاویلی ہے۔ انتھی۔ اس کے بعد نووی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور صحیح یہی ہے کہ اس نے حقیقتاً حضور ہی کا دیدار کیا، خواہ وہ صفات معروفہ کے ساتھ ہو یا غیر پر۔ انتھی۔ اس کے مقابلہ میں شیخ الاسلام ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ علامہ قاضی عیاض کے کلام سے مجھ کو وہ بات نظر نہیں آتی جو اُس کے منافی ہو، بلکہ ان کے قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں حالت میں مراد حقیقی دیکھنا ہے، لیکن پہلی حالت میں خواب دیکھنا تعبیر کا محتاج نہیں ہے، اور دوسری حالت میں تعبیر کی حاجت ہے، اور اس شخص کے قول سے جو یہ کہتا ہے کہ "حضور کا خواب میں دیکھنا صرف صورت معلومہ پر ہی ہوتا ہے۔" یہ لازم آتا ہے کہ جس نے حضور کو کسی اور صفت پر دیکھا تو اُس کا یہ خواب پریشان ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ حضور خواب میں ایسی حالت پر نظر آئیں جو دنیاوی احوال لائقہ کے برخلاف ہو تو پھر بھی حضور ہی کو دیکھا، اور اگر شیطان کو یہ قدرت ہو جائے کہ حضور کی کسی بات سے جس پر آپ ہیں یا وہ آپ کی طرف منسوب ہے، مشابہ ہو جائے تو یقیناً حضور کے اس عام ارشاد سے معارض ہو جائے گا کہ "شیطان میری مماثلت اختیار نہیں کر سکتا۔" لہٰذا بہتر یہی ہے کہ حضور کے خواب میں دیکھنے کو اسی طرح ہر اُس چیز کو جو آپ کی طرف منسوب

ہے، دیکھنے کو ان توہمات سے بالاتر، پاک و منزہ رکھنا چاہیے، کیونکہ یہی اعتقاد حرمت میں برتر اور عصمت میں لائق تر ہے، جیسے کہ بیداری میں شیطان سے محفوظ تھے۔ اب اس حدیث کی یہی تاویل صحیح ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضور کی رویت کسی حال میں باطل نہیں ہے، اور نہ یہ خواب پریشان ہے، بلکہ فی نفسہا حق ہے، اگرچہ وہ کسی اور صورت پر دیکھے، لہٰذا ان صورتوں کی تصویر شیطان کی طرف سے نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہی قول قاضی ابوبکر بن طیب وغیرہ کا ہے اور اس کی تائید میں حضور کا یہ ارشاد ہے کہ "یقیناً حق دیکھا۔" اسی طرف قرطبی نے اشارہ کیا۔ اور حدیث میں ہمارے شیخ المشائخ حافظ ابنِ حجر ہیثمی فرماتے ہیں کہ درست یہی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے حضور علیہ السلام کی رویت کے سلسلہ میں کہ یہ عام ہے، دیکھنے والا کسی حال میں دیکھے، بشرطیکہ رویت کسی وقت کی حقیقی صورت پر واقع ہو، خواہ عالم شباب کی ہو، یا اُٹھتے ہوئے شباب کی یا ڈھلتی ہوئی عمر کی، یا آخر عمر کی ہو۔ اور کبھی اس کے برخلاف کوئی تعبیر ہوتی ہے جو دیکھنے والے کے حال سے متعلق ہوتی ہے، جیسا کہ بعض علماء تعبیر کہتے ہیں کہ جس نے حضور کو بوڑھا (شیخ) دیکھا تو یہ انتہائی سلامتی کی تعبیر ہے، اور جس نے آپ کو عالم شباب میں دیکھا تو یہ لڑائی کی تعبیر ہے۔ اور ابو سعید احمد بن محمود بن نصر نے کہا کہ جس نے ہمارے نبی کریم کو آپ کی اپنی حالت و ہیئت پر دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی درستی حال اور کمال جاہ و مرتبت اور دشمنوں پر فتح یابی کی دلیل ہے، اور جس نے آپ کو متغیر الحال مثلاً ترش رو دیکھا، تو یہ دیکھنے والے کی بدحالی کی دلیل ہے۔ اور عارف ابنِ ابو جمرہ نے کہا کہ جس نے آپ کو اچھی صورت میں دیکھا تو یہ دیکھنے والے کے دین کی خوبی ہے اور اگر (پناہ بخدا) حضور کے کسی عضو شریف میں عیب و نقص دیکھا تو یہ دیکھنے والے کے دین میں خلل کی دلیل ہے۔ کہتے ہیں کہ یہی بات حق ہے اور یہ تجربہ میں آ چکی ہے، اسی طریقہ پر پایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خواب میں دیدار کرنے سے بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی خلل ہے یا نہیں! اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تو نورانی ہیں مثل مصفیٰ آئینہ کے، آئینہ دیکھنے والے میں جو اچھائی یا بُرائی ہوتی ہے، وہ آئینہ میں اور

اس کی ذات میں بے کم و کاست بخوبی نظر آجاتی ہے۔

خواب میں کلام فرمانا

یہی حال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا خواب میں کلام فرمانے کا ہے کہ اس میں بھی بحث ہے، لہٰذا اس کلام کو آپ کی سنت سے پرکھا جائے گا، جو سنت کے مطابق ہو، حق ہے، جو مخالف ہو، وہ سننے والے کی سماعت کی غلطی ہے۔ ثابت ہوا کہ ذات کریم علیہ السلام کا دیکھنا حق ہے، غلطی تو دیکھنے والے کی سماعت و بصارت میں ہے۔ فرمایا اسی سلسلہ میں جو کچھ میں نے سنا یہ بہتر ہے۔ انتھی۔

اب بندۂ ضعیف کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حال کی اصلاح فرمائے۔ میں نے سیدی شیخ عارف باللہ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقی سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عارف باللہ علی بن حسام الدین متقی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ مصر سے ایک استفتاء آیا، اُس کا مضمون یہ تھا کہ سادات علماء و عرفاء اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں یہ حکم دیتے دیکھا کہ "شراب پی۔" اس کی کیا تعبیر ہونی چاہیے؟

پھر یہ استفتاء جس کے پاس بھی پہنچا، اُس نے کچھ نہ کچھ لکھا، اور جو جو تاویلات اور اشارے ذہن میں آئے، بیان کئے۔ جب یہ استفتاء شیخ عارف باللہ متبع و مقتدیٰ محمد بن عراق کے پاس آیا جو کہ شیخ کامل اور سنت کی پیروی میں نہایت متبع تھے تو انہوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ دیکھنے والے کی سماعت نے غلطی کی ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے تو یہ فرمایا کہ "شراب مت پی" اس کی سماعت نے غلطی کی کہ اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ "شراب پی۔" واللہ تعالی اعلم۔

واضح ہو کہ ایک اور حدیث میں مسلم کی روایت سے مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو عنقریب وہ بیداری میں بھی دیدار کرلے گا۔ یا یہ ہے کہ گویا اُس نے مجھے بیداری میں دیکھ لیا، کیونکہ شیطان میری ہم شکل نہیں ہو سکتا۔ اسماعیل کی روایت

میں ہے کہ بے شک اُس نے بیداری میں مجھے دیکھا- یہ قول سیرانی کی جگہ ہے- اس کی مثل ابن ماجہ میں ہے اور اسے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ترمذی نے صحیح کہا ہے- علماء نے فسیرانی فی الیقظہ کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ ابنِ بطال نے اس قول کی تفسیر میں یہ مراد لی کہ اس خواب کی تصدیق و صحت اور برحق ہونا بیداری میں معلوم ہو جائے گا- یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آخرت میں دیکھ لے گا اس لیے کہ آپ کی اُمت بروز قیامت بیداری کی حالت میں آپ کے دیدار سے سرفراز ہوگی، خواہ اُس نے خواب میں آپ کا دیدار کیا ہو، یا نہیں- مازری کہتے ہیں کہ اگر فکانما رانی فی الیقظہ کی روایت محفوظ ہے، تو اس کے معنی ظاہر ہیں، اور اگر فسیرالی فی الیقظہ کی روایت محفوظ ہے تو ہو سکتا ہے، اس سے اُس زمانہ کے لوگ مراد ہوں جو آپ کے پاس ہجرت کر کے نہیں آئے، کیونکہ ایسا شخص جب آپ کو خواب میں دیکھے گا تو یہ خواب اس کی علامت ہوگی کہ وہ اس کے بعد بیداری میں دیکھ لے اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی بھیجی ہوگی اور سیری کے تاویلی معنی میں ایک قول یہ ہے کہ اس خواب کی تعبیر اور صحت بیداری میں دیکھ لے- علامہ قاضی عیاض نے یہ احتمال پیدا کر کے جواب دیا ہے کہ اس شخص کا حضور کو اُس صفت معروفہ پر جس پر آپ ہیں، خواب میں دیکھنا آخرت میں اُس کی عزت و کرامت کا موجب ہوگا- اُس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایسی خاص وضع پر رویت ہوگی جس میں حضور سے قرب اور علو درجات کی شفاعت ہو- اس کے علاوہ اور بھی خصوصیات سے نوازا جائے- فرماتے ہیں (ممکن ہے کہ) اللہ تعالیٰ بروز قیامت بعض گناہگاروں کو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رویت سے روکے رکھنے کا کچھ مدت تک عذاب فرمائے- ابنِ ابی جمرہ نے اس کو ایک دوسرے ہی محمل پر حمل کیا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا کسی اور سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انہوں نے خواب میں دیکھا، پھر بیدار ہونے کے بعد اس حدیث کے بارے میں سوچتے رہے، اس کے بعد وہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کے پاس گئے، شاید وہ اُن کی خالہ حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں، تو انہوں نے ان کے لیے وہ آئینہ نکالا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کا تھا، پس انہوں نے اس آئینہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی صورت دیکھی اور اپنی صورت نظر نہ آئی۔ غرضیکہ ان جوابات سے پانچ وجوہ حاصل ہوئے، ایک یہ کہ خواب بر سبیل تشبیہ و تمثیل ہے، اس پر حضور کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ فکانما رانی فی الیقظۃ (گویا کہ اُس نے مجھے بیداری میں دیکھا)

دوسری وجہ یہ ہے کہ سیری فی الیقظۃ (عنقریب بیداری میں دیکھ لے گا) اس کے تاویلی معنی یہ ہیں کہ بر سبیل حقیقت دیکھ لے گا۔

تیسری وجہ یہ کہ خاص اسی زمانہ کے لوگوں کے لیے ہے، جو ملاقات سے پہلے ایمان لائے تھے۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص حضور کے آئینہ میں حضور کو دیکھ لے گا، اگر وہ آئینہ ملنا ممکن ہو۔ شیخ حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ محمل بعید تر ہے.... اور

پانچویں وجہ یہ ہے کہ وہ بروز قیامت مزید خصوصیت کے ساتھ دیدار[1] کرے گا۔

والله تعالی اعلم بالصواب والیه المرجع والماب۔

---

[1] یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابیت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کا دیدار کرے اور ایمان پر ہی اُس کا خاتمہ ہو، تو جب خواب میں کسی کا بخت یاور ہو، اور اُسے حضور کا جمال جہاں آراء نظر آ جائے تو کیا وہ بھی شرف صحابیت سے مشرف ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں سیدی و مرشدی حضرت صدر الافاضل مولانا مفتی محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ، اپنی کتاب "سیر الصحابہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ شرف صحابیت اُنہی کو حاصل ہے جنہوں نے زمانہ نبوت میں عزت ملاقات حاصل کی ہو۔ خواب میں دولتِ دیدار سے بہرمند ہونے والے کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا۔ اور پردہ فرمانے کے بعد خلوت میں باریاب ہونا بڑی برکت ہے، بڑی خوش نصیبی ہے، لیکن اس سے صحابیت کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ (سیرت صحابہ صفحہ ۲، مطبوعہ لاہور)

ماہِ ربیع الآخر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ماہ مکرم و مشرف ربیع الاوّل کے بطور ضمیمہ و دامن کے ماہ ربیع الآخر کے حالات ذکر کردیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ مبارک کے ظاہری و باطنی فیوضات سے نوازے۔

اس ماہ فاخر ربیع الآخر کے واقعات میں وفاتِ سیدنا و مولانا قطب یگانہ غوث اعظم شیخ الاسلام والمسلمین، غوث الثقلین الشیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا ہے اور کچھ وہ بیان جو آپ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف واقع ہے اور یہ اشارہ کہ ان اقوال مختلفہ میں کونسا قول راجح تر ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ''بہجتہ الاسرار'' میں مذکور ہے۔ یہ کتاب حضرت شیخ کریم و مختار کے حالات میں ثقہ مشائخ کبار کی روایات کے ساتھ مشہور ہے اور اس کتاب کے مصنف اور حضور غوث اعظم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ حضور غوث اعظم رحمہ اللہ رمضان المبارک میں چند دن بیمار رہے، اور ان کے پاس مشائخ میں سے شیخ علی بن ہیتی اور شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی اور شیخ ابوالحسن جوسقی وغیرہ موجود تھے، اس وقت ایک باوقار خوبصورت شخص حاضر ہوا اور کہا ''السلام علیک یا ولی اللہ! میں ماہ رمضان ہوں، آپ کے پاس اس بات کا عذر کرنے آیا ہوں جو آپ کے لئے میری مدت میں مقدر ہو چکا ہے اور میں آپ کو رخصت کرتا ہوں، یہ میرا آپ کے پاس آنا آخری ہے پھر وہ چلا گیا۔ پس

حضرت شیخ ہفتہ کی رات نویں ربیع الآخر کو دوسرے سن میں وفات پا گئے اور دوسرا رمضان نہ پایا۔

اور آپ کے مناقب میں مشائخ نے بیان کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں ہر مہینہ رویت ہلال سے قبل حاضری دیتا تھا۔ اگر تقدیرِ الٰہی سے اس مہینہ میں کوئی عقوبت اور برائی ہوتی تو وہ مہینہ ناپسندیدہ صورت میں آتا اور اگر تقدیرِ الٰہی سے نعمت و خوبی ہوتی تو اچھی صورت میں آتا تھا۔

بھجتہ الاسرار اور خلاصتہ المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر، مولفہ شیخ العالم عارف و امام عبداللہ یافعی جس کا تکملہ روضتہ الریاحین ہے، میں مذکور ہے کہ کئی مشائخ جن میں آپ کے صاحبزادہ سید السادات سیف الدین عبدالوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں، نے فرمایا ہم اپنے پیرو مرشد شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں جمعہ کی سہ پہر کو آخر جمادی الاخریٰ ۵۶۰ھ میں حاضر تھے اور آپ گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک خوبصورت جوان آیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا السلام علیک یا ولی اللہ! میں ماہ رجب ہوں آپ کو مبارکباد پیش کرنے آیا ہوں کہ تقدیرِ الٰہی میں اس ماہ میں عام طور پر لوگوں کے لئے کوئی برائی نہیں ہے۔ راوی کا قول ہے کہ اس ماہ رجب میں لوگوں نے بھلائی کے سوا قطعاً برائی نہ دیکھی۔ جب اتوار کا دن اس کا آخری روز ہوا تو ایک بدصورت شخص آیا اور ہم بھی آپ کے پاس حاضر تھے، اس نے کہا السلام علیک یا ولی اللہ! میں ماہ شعبان ہوں، میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ تقدیرِ الٰہی سے مجھ ماہ میں بغداد میں وباء، حجاز میں گرانی، خراسان میں خون ریزی ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا اس نے کہا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے بموجب آپ کا عرس مبارک ربیع الآخر کی نویں تاریخ کو ہونا چاہئے اور یہ وہ تاریخ ہے جس پر ہم نے اپنے پیرو مرشد، امام عارف کامل، شیخ عبدالوہاب قادری متقی مکی قدس سرہ کو پایا ہے۔ شیخ قدس سرہ آپ کے عرس کے دن کے لئے یہی تاریخ یاد رکھتے تھے، لیکن اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے یا اس سبب سے کہ اپنے پیر شیخ علی متقی قدس سرہ کو یا کسی اور شیخ کو دیکھا ہو، بے شک ہمارے ملک میں آج کل گیارہویں تاریخ مشہور ہے، اور یہی تاریخ آپ کی ہندی اولاد و مشائخ میں

متعارف ہے۔ اسی طرح ہمارے شیخ سیدنا البہی الرضی الوصی ابوالمحاسن سید شیخ موسیٰ الحسینی الجیلانی (ملتانی) بن شیخ کامل عارف معظم و مکرم ابوالفتح شیخ حامد الحسنی الجیلانی نے ''اورادِ قادریہ'' سے جو مخدوم اعظم و اکرام و امجد و افخم بالاتفاق ولی اللہ ہیں، کی تصنیف ہے جس کو مخدوم ثانی اور شیخ عبدالقادر ثانی قدس روحہ کہا جاتا ہے، نقل کر کے ذکر کیا ہے، اس مقام سے جہاں آپ کے آباء و اجداد رحمہم اللہ اجمعین کا ذکر ہے اور شیخ امام عبدالوہاب یافعی کی کتاب ''خلاصۃ المفاخر'' اور اپنی مشہور تاریخ جس کا نام ''مراۃ الجنان'' میں مذکور ہے کہ آپ کی وفات ماہ ربیع الآخر ۵۶۰ھ یا ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے اور تاریخ معین نہیں کی۔ بایں وجہ یا تو انہیں معلوم نہ ہوئی یا بوجہ اختلاف واقع ہونے کے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی وفات سترہ تاریخ کو ہوئی۔ یہ بے اصل روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر تم یہ کہو کہ ہمارے ملک میں جو مشائخ کرام کی وفات کے دنوں میں عرس کا رواج ہے کیا اس کی اصل ہے، اگر تمہارے علم میں اس کی اصل ہے تو بیان کرو؟ تو میں جواب میں کہوں گا میں نے یہی سوال اپنے شیخ امام عبدالوہاب متقی مکی قدس سرہ سے کیا تھا۔ تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ہمارے مشائخ کے طریقے اور ان کی عادتیں ہیں اور اس بارے میں ان کی کچھ نیتیں ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ تمام دنوں کو چھوڑ کر اسی دن کو کیوں خاص کیا؟ فرمایا ضیافت (مہمان نوازی) مطلق سنت ہے۔ لہٰذا دنوں کی تعین سے قطع نظر کی جائے گی۔ شریعت میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً مصافحہ کہ بعض مشائخ بعد نماز کرتے ہیں، اور جیسے دسویں محرم (عاشورہ) کو سرمہ لگانا۔ لہٰذا سرمہ لگانا مطلقاً سنت ہے اور اس کی تخصیص کرنا بدعت ہے۔ اس کے بعد فرمایا بعض متاخرین نے مغرب کے مشائخ کرام سے نقل کیا کہ جس دن ان کا رب العزت کی بارگاہ میں وصال ہوا اس دن ان دنوں کی نسبت خیر و برکت اور نورانیت کے امیدوار ہونا بہت زیادہ ہے۔ پھر انہوں نے بہت عرصہ تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا زمانہ ماضی میں تو یہ کچھ بھی نہ تھا یہ تو متاخرین کے مستحسنات میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ماہ رجب

(لغت کی کتاب) قاموس میں ہے کہ رجب فلانا یعنی اسے ڈرایا اور اس کی تعظیم کی اور رجبا ورجوبا ورجبہ وارجبہ بھی بولتے ہیں۔ اسی سے رجب نکلا ہے۔ کیونکہ عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کی جمع ارجاب' رجوب اور رجبات جیم کی حرکت کے ساتھ ہے اور رجب میں قربانی کرنے کو "ترجیب" کہتے ہیں۔ انتھی۔

اور جزری کی "نہایہ" میں ہے کہ ترجیب کے معنی تعظیم کرنا ہے۔ یہ رجب فلان مولاہ عظمہ (یعنی فلاں نے اپنے مولا کی تعظیم کی) سے ماخوذ ہے اور اسی معنی میں ماہ رجب ہے۔ اس لئے کہ اس کی تعظیم ہوتی ہے اور اسی سے رجب مضر ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔ مضر کی طرف اس کی نسبت اس لئے ہے کہ وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور یہ جو کہا کہ جمادی اور شعبان کے درمیان ہے' اس میں اس بات کی تاکید ہے کہ وہ لوگ اسے ہٹا دیا کرتے تھے اور ایک مہینہ کو کسی دوسرے مہینہ کی جگہ ٹال دیتے تھے۔ پس وہ (ان کے خیال میں) ٹل جاتا تھا۔ عتیرہ رجب کی قربانی کا نام تھا کہ وہ رجب میں ذبح کرتے تھے۔ انتھی۔

اور اس رجب کو وہ "اصم" کہتے تھے۔ قاموس میں ہے کہ الاصم رجب یعنی اصم رجب ہے اس لئے کہ رجب میں کوئی آواز نہیں آتی۔ مثلاً اے فلاں اور یا صباحا وغیرہ اور نہایہ میں ہے کہ اللہ کا مہینہ اصم ماہ رجب ہے' اس لئے کہ اس میں ہتھیاروں

کی آوازیں نہیں سنی جاتیں کیونکہ یہ حرمت کا مہینہ ہے۔ مجازاً ایسے انسان کی صفت سے موصوف ہوا جو بہرہ ہو۔ بندہ مولف کہتا ہے خدا اسے معاف کرے، یہ جو بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ اس ماہ کو اصم اس لئے کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن اپنے آپ کو بہرا بنالے گا اور لوگوں پر بری گواہی جو کسی نے اس مہینہ میں گناہ اور برائیاں کی ہیں نہیں دے گا اور کہہ دے گا کہ میں تو بہرا ہوں کچھ نہیں سن سکتا۔ اور اسی لئے اسے اللہ کا مہینہ کہا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت سے موصوف ہے کہ وہ بندوں کے عیبوں کو چھپاتا ہے یہ سب بے اصل باتیں ہیں اور اس میں کوئی معقولیت نہیں ہے اس لئے کہ پردہ پوشی (ستاری) کی صفت سے موصوف ہونا کچھ بہرے ہونے کی خصوصیت کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ بہرے پن سے تو صرف اقوال چھپ سکتے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

جامع الاصول میں صحاح ستہ کی ایک حدیث بھی ماہ رجب کی فضیلت میں ہم نے نہیں پائی۔ البتہ جامع کبیر میں کچھ حدیثیں ماہ رجب کے فضائل اور اس میں اعمال کی فضیلت میں مذکور ہیں، وہ یہ ہیں کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ اسے ابوالفتح فوارس نے امالی میں حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا۔ بے شک رجب عظمت کا مہینہ ہے اس میں نیکیاں دونی کی جاتی ہیں، جس نے اس کے ایک دن کا روزہ رکھا وہ سال بھر کے روزہ کے برابر ہے اسے رافعی نے سعید سے روایت کیا۔ بے شک رجب اللہ کا مہینہ ہے اسے اصم بھی کہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں رجب آتا تو لوگ اپنے ہتھیاروں سے کام لینا چھوڑ دیتے اور انہیں اٹھا رکھتے تھے پھر مسافر لوگ امن سے رہتے اور راستہ پُرامن ہو جاتا، کسی سے کسی کو کوئی خوف نہ ہوتا یہاں تک کہ یہ مہینہ گزر جائے۔ اسے بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ اور کہا کہ اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ رجب بڑا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ اس میں نیکیاں دوچند کر دیتا ہے۔ پس جس نے ایک دن کا روزہ رکھا گویا اس نے سال بھر روزہ رکھا اور جس نے اس میں سات دن روزے رکھے تو اس سے جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور جس نے اس کے آٹھ دن کے روزے رکھے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول

دیئے جائیں گے اور جس نے اس کے دس دن کے روزے رکھے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگے گا ضرور عطا فرمائے گا اور جس نے اس کے پندرہ دن کے روزے رکھے تو آسمان سے منادی پکارے گا تیرے گزشتہ تمام گناہ بخش دیئے گئے اب از سرنو عمل کر، جس نے زیادہ عمل کئے اسے زیادہ ثواب دیا جائے گا۔ اور رجب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی میں سوار کیا۔ انہوں نے خود رجب کے روزے رکھے اور ہمراہیوں سے کہا کہ وہ بھی روزے رکھیں، پھر کشتی چھ ماہ تک چل کر یوم عاشورہ کو رکی اور جودی پہاڑ پر اترے۔ پھر حضرت نوح اور ان کے ہمراہیوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ وحشی جانوروں نے اللہ عزوجل کے شکر کا روزہ رکھا، اور یوم عاشورہ کو بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے دریا پھاڑا اور عاشورہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی، اور عاشورہ کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسے طبرانی نے سعد بن ابو راشد سے روایت کیا۔ ماہ رجب میں ایک دن اور ایک رات ایسی ہے جس نے اس دن روزہ رکھا اور اس رات میں قیام کیا تو گویا اس نے زمانہ میں سو برس کے روزہ رکھے اور سو برس تک قیام کیا، اور وہ رجب کی ستائیسویں تاریخ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی مہینہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اسے بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا اور کہا کہ حضرت سلمان سے یہ روایت منکر ہے۔ بلکہ خرشہ بن حر سے مروی ہے، انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ رجب کے روزہ میں لوگوں کے ہاتھ پکڑ کر کھانے میں ڈالتے، فرماتے رجب، رجب کیا ہے۔ رجب تو صرف ایک مہینہ ہے جس کی زمانہ جاہلیت میں تعظیم کی جاتی تھی جب اسلام آیا تو اس کی تعظیم ترک کر دی گئی۔
اسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔

ابو قلابہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رجب کے روزہ داروں کے لئے جنت میں ایک محل ہے، اسے ابن عساکر نے بیان کیا۔ عامر بن شبل جرمی سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص سے سنا وہ بیان کرتا تھا کہ میں نے حضرت انس ابن مالک سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل ہے جس میں رجب کے روزہ داروں کے سوا کوئی

نہ جائے گا۔ اسے ابنِ شاہین نے ترغیب میں نقل کیا۔ بے شک جنت میں ایک نہر ہے جسے رجب کہتے ہیں۔ دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، جس نے رجب میں ایک دن کا بھی روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے اس نہر سے سیراب کرے گا۔ اسے شیرازی نے "القاب" میں نقل کیا اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت انس سے روایت کی کہ رجب کی پہلی تاریخ کا روزہ تین برس کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور دوسری تاریخ کا روزہ دو برس کا کفارہ ہے، اور تیسری تاریخ کا روزہ ایک برس کا کفارہ ہے، پھر ہر ایک دن کا روزہ ایک مہینہ کا کفارہ ہے اسے ابو محمد خلال نے فضائل رجب میں بیان کیا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رجب میں ایک رات ہے اس رات کی عبادت کرنے والے کے لئے سو برس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور وہ رات ستائیسویں رجب کی ہے۔ پس جس نے اس میں بارہ رکعت پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سو مرتبہ اور استغفر اللہ سو مرتبہ اور حضور پر درود شریف سو مرتبہ پڑھی پھر اپنے لئے دنیا و آخرت کی جو چاہا دعا مانگی اور صبح کو روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ بے شک اس کی ہر دعا قبول کرے گا بجز دعائے معصیت کے۔ اسے بیہقی نے "شعب الایمان" میں ابان سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کی اور کہا کہ یہ پہلے سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اور حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رجب آتا تو یہ دعا مانگتے اے خدا! رجب اور شعبان میں ہمارے لئے برکت دے اور ماہ رمضان تک پہنچادے۔ اسے ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابنِ نجار نے روایت کی اور ابنِ عساکر نے اتنا زیادہ کیا کہ جب شب جمعہ آتی تو حضور فرماتے یہ منور رات ہے اور جمعہ کا دن روشن دن ہے۔

اور تنزیہ الشریعت میں جو موضوع احادیث کے بیان میں ہے۔ یہ حدیث ہے کہ تمام مہینوں پر ماہ رجب کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کلاموں پر قرآن کی فضیلت ہے۔ اور حافظ ابن حجر کی تبیین العجب میں یہ حدیث اتنی زیادتی کے ساتھ ہے کہ رجب کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسے قرآن کی فضیلت تمام ذکروں پر ہے۔ اور تمام مہینوں

پر شعبان کی فضیلت ایسی ہے جیسے نبیوں پر سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت ہے، اور تمام مہینوں پر رمضان کی فضیلت ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت تمام بندوں پر ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ اسے سلفی نے روایت کیا اور اس کی سند ثقہ ہے بجز ہبتہ اللہ سقطی کے کہ وہ آفت کا پرکالہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور ایک حدیث یہ ہے کہ ماہ رجب میں ایک دن اور ایک رات ایسی ہے جس نے اس دن روزہ رکھا اور رات کو شب بیداری کی تو اس کے لئے سو برس کے روزوں کا ثواب ہے وہ ستائیسویں تاریخ ہے۔ اسی تاریخ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اسے دیلمی نے سلیمان سے روایت کیا۔ اس حدیث کی سند میں خالد بن ہیاج ہے اور ابن ہیاج متروک ہے، اس کی منکر حدیثیں بکثرت ہیں چونکہ اس حدیث کا محمل خالد بن ہیاج پر ہے وہ آفت کا پرکالہ ہے، اور ہناد نسفی کی "فوائد" میں منکر اسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ستائیسویں رجب کو مجھے نبی مبعوث کیا گیا۔ لہٰذا جو اس دن روزہ رکھے اور بوقت افطار دعا مانگے اس کے دس سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

اور ابو معاذ شاہ مروزی کی حصۂ کتاب میں جو فضائل رجب میں عبدالعزیز کتانی کی تصنیف ہے، ضمیرہ کی سند سے ابن شورب سے وہ مطر الوراق سے وہ شہر بن خوشب سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ جس نے رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ساٹھ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھے گا اور یہ وہ دن ہے کہ اس روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلام رسالت لے کر آئے۔ اور یہ روایت اس معنی کی تمام روایتوں میں زیادہ مناسب ہے۔

ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے رجب میں ایک دن کا روزہ رکھا اور اس کی راتوں میں کسی ایک رات کی شب بیداری کی تو اللہ تعالیٰ اسے بروز قیامت اس کے ساتھ اٹھائے گا اور پل صراط پر لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتا ہوا گزر جائے گا آخر حدیث تک۔ اسے دارمی نے جابر سے بسند اسمٰعیل ابن یحییٰ تیمی بیان کیا۔

ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے ماہ رجب میں ایک رات شب بیداری کی اور دن

کو روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے میوے کھلائے گا اور اسے جنتی لباس پہنائے گا اور سیل بند شراب پلائے گا۔ اسے دارمی نے حسین بن علی سے روایت کیا اس میں حصین بن مخارف داخل ہے۔ (جو کہ مطعون ہے)

ایک حدیث یہ ہے کہ ماہ رجب حرمت والے مہینوں میں سے ہے اور اس کے ایام چھٹے آسمان کے دروازوں پر لکھے ہوئے ہیں پس جب کوئی شخص اس کے کسی دن کا روزہ رکھتا ہے اور اپنے روزہ کو تقوائے الٰہی سے نکھارتا ہے تو وہ دن اور اس دن کا روزہ گویا ہوتے ہیں: اے رب! اس کو بخش دے، اور اگر تقوائے الٰہی سے اس نے روزہ کو پورا نہ کیا تو وہ دونوں اس کے لئے استغفار نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تجھ کو تیرے نفس نے فریب دیا۔ اسے ابن شاہین اور دارمی نے ابو سعید سے روایت کیا، اس میں اسمٰعیل تیمی ہے۔

ایک حدیث یہ ہے کہ ماہ رجب اللہ کا گونگا عالی مرتبہ مہینہ ہے، جسے اللہ نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے۔ جس نے اس ماہ میں کسی ایک دن ایمان و ثواب کے لئے روزہ رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا مستوجب ہوگا، اور رمضان کا مہینہ میری امت کا مہینہ ہے، اس میں ان کے گناہ فنا کر دیئے جاتے ہیں جب مسلمان بندہ روزہ رکھتا ہے اور جھوٹ نہیں بولتا اور نہ غیبت کرتا ہے اور اس کا افطار پاکیزہ ہوتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا صاف ہو جاتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی ڈال کر صاف ہو جاتا ہے۔ اس کو حاکم نے اپنی تاریخ میں ابو سعید سے روایت کیا، اس کی سند میں ابو ہارون مہدی اور عضام بن طلیق کسی کام کے نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں شاید کہ ابو ہارون آفت کا پرکالہ ہے کیونکہ سب نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں وہ فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔

ابو داؤد سے یہ حدیث مروی ہے کہ ان سے کسی نے رجب کے روزہ کے بارے میں پوچھا فرمایا تو نے ایسے مہینے کے بارے میں پوچھا ہے جس کی زمانہ جاہلیت کے لوگ تعظیم کرتے تھے اور اسلام نے اس کو سوائے فضل اور تعظیم کے اور کچھ زیادہ نہیں کہا۔ پس جو اس کے کسی ایک دن کا روزہ ثواب جان کر نفل رکھے جو صرف اللہ کے لئے ہو تو

اس کا یہ روزہ اس دن کے غضب الٰہی کو بجھا دے گا اور دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ بند کر دے گا' اور اگر اسے زمین بھر سونا دیا جائے تو یہ اس روزہ کا بدلہ نہیں ہو سکتا اور دنیا کی کسی شے سے اس کا اجر پورا نہیں ہو سکتا بجز روز قیامت کے' اور شام کے وقت اس روزہ دار کی دس دعائیں قبول ہوتی ہیں پس اگر وہ دنیا کی کوئی چیز فوراً مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے دے دیتا ہے اور اس کے واسطے خیر کا ذخیرہ اتنا بہتر محفوظ رہتا ہے کہ اللہ کے ولی اور اس کے محبوب و صفی میں سے کسی دعا کرنے والے نے مانگا ہو' اور جس نے دو روزے رکھے تو اس کے واسطے اتنا ہی ہے اور اس کے لئے اس کے ساتھ دس صدیقوں کا ثواب ہے جو کہ انہوں نے تمام عمر میں کیا ہو کہیں تک بڑھ جائے' اور جس نے تین روزے رکھے تو اس کے لئے اتنا ہی ہے اور بوقت افطار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندہ کا حق واجب ہو چکا اور اس کے لئے میری محبت اور میری دوستی واجب ہو چکی۔ اے میرے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے۔ اور جس نے اس کے چار دن کا روزہ رکھا تو اس کے لئے اتنا ہی ہے اور بروز قیامت اس حال میں اٹھے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گا اور اس کی نیکیاں عالج کے ریگستان کے برابر لکھی جائیں گی اور جنت میں داخل کیا جائے گا' اور اس سے کہا جائے گا خدا سے جو جی چاہے مانگ۔ اور جس نے اس کے چھ دن کا روزہ رکھا تو اس کے لئے اتنا ہی ہے اور ایسا نور دیا جائے گا جس سے قیامت کے دن تمام اس سے مستنیر ہوں گے اور آمنین میں اٹھایا جائے گا حتیٰ کہ صراط پر بے حساب گزر جائے گا' اور ماں باپ کی ایذا دہی اور قطع رحم معاف کیا جائے گا' اور اس کی قبر سے ایک نور نکلے گا اور اس کا چہرہ چمکتا ہو گا جس سے مجمع روشن ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ گمان کریں گے کہ یہ نبی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ادنیٰ عنایت یہ ہو گی کہ بلا حساب جنت میں جائے گا۔ اور جس نے اس کے دس دن کے روزے رکھے تو اسے خوبی ہی خوبی ہے اس کے لئے اتنا ہی اور اس کا دس گنا' وہ ان میں سے ہو گا جن کے گناہ نیکیوں سے بدل دیئے جائیں گے' وہ خدا کے نیکوکار مقربین میں ہو گا وہ ایسا ہو گا جس نے گویا ایک ہزار سال روزہ رکھا' شب بیداری کی' صبر کیا' ثواب کا امیدوار بنا۔ اور جس نے

بیس دن کے روزے رکھے تو اس کا اجر اتنا ہوگا اور بیس گنا ہوگا اور وہ ان میں سے ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبہ میں مزاحمت کریں گے، اور ربیعہ اور مضر کے قبیلہ والوں کے برابر لوگوں کے گناہوں کی شفاعت کرے گا، اور جس نے تیس روزے پورے کردیئے تو اس کے لئے اتنا ہی ہے اور تیس گنا زیادہ ہوگا اور آسمان سے منادی ندا کرے گا مبارک ہو اے اللہ کے ولی! تیرے لئے بڑا مرتبہ اور خدا کا دیدار ہے اور نبیوں، صدیقوں اور صالحوں کی رفاقت ہوگی اور یہ لوگ کتنے عمدہ رفیق ہیں، خوشی ہے تیرے لئے، خوشی ہے تیرے لیے، تین مرتبہ کہا جائے گا۔ جب پردہ اٹھایا جائے گا تو تو انتہائی ثواب کو پہنچے گا پس جب اس کے پاس موت کا فرشتہ آئے گا تو اس کا پروردگار فردوس کے حوضوں سے اسے سیراب کرے گا یہاں تک کہ وہ ہرگز موت کی تکلیف نہ دیکھے گا، اور اپنی قبر میں ہمیشہ خوش رہے گا، یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض پر پہنچے گا پھر جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو ستر ہزار فرشتے عمدہ عمدہ موتی اور یاقوت لئے ہوئے آئیں گے ان کے بہترین زیور اور پوشاک ہوگی پھر وہ کہیں گے اے ولی اللہ! اپنے رب کی پناہ میں آ، جس کے لئے تو سارا دن پیاسا رہا، اور اس کے غم میں تو نے اپنا جسم لاغر کیا، پس یہ شخص جنت عدن میں جانے والوں میں سب سے آگے ہوگا۔ خدا ان سے راضی یہ خدا سے راضی ہوں گے۔ یہی بڑی مراد ہے۔ پھر اگر ہر ہر روزہ کے واسطے حسبِ توفیق خیرات کرے تو بہت دور ہے، بہت دور ہے یعنی اگر ساری مخلوق جمع ہو کر اس کے ثواب کا اندازہ کریں جو اسے ملا ہے (تو یہ اندازے سے بہت دور ہے) بلکہ اس کے دسویں حصہ کا بھی اندازہ نہیں کریں گے جتنا اسے ملا ہے۔ اسے ابنِ شاہین نے ترغیب میں مکحول سے روایت کیا اور اس کی سند میں بے شمار اندھیریاں ہیں، اس کی سند میں داؤد بن محبّر ہے جو بدنام ہے اور سلیمان بن حکم ہے، جس کو سب ضعیف بتاتے ہیں اور علاء بن کثیر ہے جس کے ضعف پر اجماع ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے "تبیین العجب" میں فرمایا کہ یہ حدیث واضح طور پر موضوع اور من گھڑت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے کو روسیاہ کرے۔ خدا کی قسم! لکھتے وقت اس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوگئے، میرے نزدیک اس کی تہمت داؤد بن محبّر اور علاء بن خالد پر ہے یہ

دونوں جھوٹے ہیں۔ حالانکہ مکحول نے ابوالدرداء کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ خدا کی قسم! مکحول سے ہرگز یہ روایت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رجب سے پہلے جمعہ کے دن خطبہ دیا کہ اے لوگو! تم پر ایک بڑا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، وہ ماہ رجب ہے جو اللہ کا گونگا مہینہ ہے، اس میں نیکیاں دونی ہوتی ہیں، اور دعائیں قبول کی جاتی ہیں، اور سختیاں کھولی جاتی ہیں، اور کسی مسلمان کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ جس نے اس میں کوئی نیک کام کیا تو اس کے لئے کئی گنا نیکیوں میں زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے دونا کردے لہٰذا تم شب بیداری اور دن کا روزہ لازم کرلو۔ جس نے اس کے دن میں پچاس رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ ہر رکعت میں جس قدر ممکن ہوا قرآن پڑھا تو اللہ تعالیٰ بعدد جفت و طاق اور بعددِ اون و بال نیکیاں عطا فرمائے گا، اور جس نے ایک دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے سال بھر کے برابر روزہ کا ثواب لکھے گا اور جس نے اپنی زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھا تو اللہ تعالیٰ منکر و نکیر کے سوال کے وقت تلقین جواب فرمائے گا۔ اور جس نے کچھ خیرات کیا تو اس صدقہ سے جہنم کے فتنہ سے اس کی گردن آزاد ہو جائے گی، اور جس نے صلہ رحمی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں صلہ فرمائے گا اور زندگی بھر اس کے دشمنوں پر اس کی مدد کرے گا، اور جس نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو اس کی زیارت و سلام کا حکم دے گا اور جس نے کسی جنازہ کی نماز پڑھی تو گویا اس نے زندہ درگور کو زندہ کردیا۔ اور جس نے کسی مسلمان کو کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ اسے اس دستر خوان پر بٹھائے گا جس میں بروز قیامت حضرت ابراہیم و محمد علیہما السلام تشریف فرما ہوں گے۔ اور جس نے پانی کا ایک گھونٹ پلایا تو اللہ تعالیٰ اسے سربند پانی و شربت سے سیراب کرے گا، اور جس نے کسی مسلمان کو کپڑے پہنائے تو اللہ تعالیٰ ایک ہزار بہشتی جوڑے پہنائے گا، اور جس نے کسی یتیم کی خاطر داری کی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ کے نیچے کے ہر ہر بال کے بدلے مغفرت کرے گا۔ اور جس نے اللہ عزوجل سے ایک بار استغفار کی تو اسے اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ اور جس نے ایک بار

سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ بکثرت ذکر الٰہی کرنے والے مرد و عورت کی فہرست میں نام لکھ دے گا، اور جس نے ایک مرتبہ قرآن کا ختم کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ماں باپ کو ایک ایک تاج جواہرات سے مرصع پہنائے گا اور قیامت کے دن کی رسوائی سے امن دے گا۔ اسے ابنِ عساکر نے نقل کیا اور ایک بار منکر کہا اور "تبیین العجب" میں ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ انتھی۔

یہ تمام حدیثیں جو ہم نے بیان کی ہیں، اپنے پاس موجود کتب سے ہیں۔ ان کے اقوال کے مطابق ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں اور انتہائی ضعیف ہیں اور تمام موضوع و من گھڑت ہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

اور اس مہینہ کے سلسلہ میں جو لوگوں میں مشہور ہے، ان میں سے ایک لیلتہ الرغائب ہے، وہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات ہے اور مشائخ کے نزدیک اس رات میں ایک مشہور نماز ہے لیکن محدثین اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام محی الدین نووی فرماتے ہیں ان کی عبارت یہ ہے:

لیکن صلوٰۃ الرغائب اور شعبان کی پندرھویں شب کی نماز یہ دونوں مسنون نہیں ہیں بلکہ بدعت قبیحہ مذمومہ ہیں۔ اور ابو طالب مکی کا قول جو قوت القلوب میں ہے قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور نہ حجتہ الاسلام امام غزالی کا قول جو احیاء العلوم میں مذکور ہے قابل التفات ہے۔ اور نہ ان دونوں کتابوں میں اس کے متعلق مذکور حدیثیں معتبر ہیں کیونکہ وہ باطل ہیں۔ اور عزالدین ابنِ عبدالسلام نے ان دونوں کے ابطال میں نفیس کتاب تصنیف کی ہے جس میں عمدگی کے ساتھ احسن طریقہ سے بیان کیا ہے اور امام مذکور نے اپنے فتاوے میں بھی ان دونوں کی مذمت بیان کر کے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا چھوڑنا اور ان سے اعراض کرنا اور کرنے والوں کو برا جاننا سزاوار ہے۔ اور اولی الامر (حاکم وقت) پر بتوفیق الٰہی اس کے کرنے سے لوگوں کو روکنا لازم ہے کیونکہ وہ محافظ ہے اور ہر محافظ سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ اور بعض علماء نے اس کے انکار و مذمت اور ایسی نماز پڑھنے والوں کی حماقت پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی ہیتمی نے فرمایا یہ ہمارا اور مالکی علماء کا اور متاخرین ائمہ کا مذہب ہے

اور یہی مذہب اکثر علماء حجاز اور فقہائے مدینہ کا ہے۔ اور شیخ مذکور نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں یہ حدیث ہے کہ جس نے ستائیسویں ماہ رجب کی شب میں ایسی بارہ رکعتیں پڑھیں جن کی کیفیت مذکور ہو چکی ہے پھر صبح روزہ رکھا پھر یہ یاد کیا کہ یہ وہ رات ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے سو یہ حدیث موضوع ہے اور اس حدیث کی اور سندیں بھی ہیں، اس میں کچھ زیادہ ہے اور اس کی سند میں دو بدنام جھوٹ بولنے والے ہیں۔ اور اسی میں یہ حدیث ہے کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا۔ بلاشبہ ماہ رجب مغفرت کے ساتھ اور خون کی حفاظت کے ساتھ مخصوص ہے، اور بے شک جس نے رجب میں روزہ رکھا تو گزشتہ تمام گناہوں کی مغفرت کا مستحق ہو گیا۔ اس کے سوا اور بھی بہت فضیلتیں مذکور ہیں یہ حدیث جھوٹی اور موضوع و من گھڑت ہے۔ اور اس کتاب میں شیخ نے بکثرت ایسی نمازیں جمع کی ہیں جن کا سنت میں کہیں پتا نہیں۔ بلکہ وہ بدعت منکرہ ہیں اور عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سنت ہیں۔ اس سلسلہ میں اصل اور معتمد علیہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہو۔ لہٰذا راتوں میں سے کسی خاص جمعہ کی رات کو شب بیداری کے لئے مخصوص نہ کرو اور نہ دنوں میں سے کسی خاص جمعہ کی تخصیص کرو مگر یہ کہ کوئی تم میں سے ورد وغیرہ کے لئے روزہ رکھے اور کچھ ایسی باتیں ہیں جو بدعت منکرہ مخالف سُنّت ثابت ہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

اب بندۂ ضعیف اللہ تعالیٰ اس کے حال کی اصلاح فرمائے اور اس کا انجام بخیر کرے کہتا ہے کہ یہ تو محدثوں کا بیان ہے جو انہوں نے اپنے طریقہ پر سندوں کی تحقیق کر کے حدیثوں کو نقل کیا ہے اور ان سے تعجب ہے کہ وہ اس باب میں مبالغہ کرتے ہیں۔ حالانکہ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ تعجب شیخ محی الدین نووی پر ہے باوجودیکہ وہ فقہی مسائل میں انصاف کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور حنفیوں کے ساتھ بغض نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ شافعیوں کی عادت ہے۔ پس اس میں جس میں ہماری گفتگو ہے بغض نہ کرنا زیادہ بہتر تھا کیونکہ امام نووی مشائخ عظام اور علماء کرام رحمہم اللہ وقدس اسرارہم سے نسبت رکھتے ہیں۔

اور بے شک مؤلف جامع الاصول نے اپنی کتاب میں رزین سے ایک حدیث بیان کی ہے باوجودیکہ اس کتاب کا موضوع یعنی مقصد صرف کتب ستہ جسے صحاح ستہ کہا جاتا ہے، کی حدیثوں کو جمع کرنا ہے۔ جب انہوں نے اس باب میں ان کتابوں میں حدیث نہ پائی تو دوسری کتاب سے باب کو مکمل اور پورا کرنے کے لئے لے آئے، اور کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لیلۃ الرغائب کا تذکرہ فرمایا وہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات ہے۔ پس مغرب و عشاء کے درمیان بارہ رکعتیں چھ سلام کے ساتھ پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ تین بار سورۃ القدر اور بارہ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھے، جب نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے اے خدا درود بھیج سیدنا محمد نبی امی پر اور آپ کی آل پر۔ بعد سلام پھیرنے کے ستر مرتبہ پڑھے پھر ایک سجدہ کرے اس سجدہ میں ستر بار سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح پڑھے پھر سر کو اٹھائے اور کہے رب اغفر وارحم الخ یعنی اے رب بخش دے اور رحم فرما اور جو جانتا ہے اس سے درگزر کر۔ بے شک تو ہی برتر و اعظم ہے، اور دوسری روایت میں الاعز الاکرم ستر بار پڑھنا مروی ہے۔ پھر سجدہ کرے اور وہی کہے جو پہلے کہا تھا، پھر سجدہ کے اندر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے۔ بے شک اللہ اپنے سائل کو رد نہ فرمائے گا۔ مؤلف جامع الاصول فرماتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جو مجھے رزین کی کتاب میں ملی ہے، اور صحاح ستہ کی کسی کتاب میں مجھے نہ ملی۔ حالانکہ یہ حدیث مطعون فیہ ہے، انتھی۔ اور کتاب بہجۃ الاسرار میں لیلۃ الرغائب کا تذکرہ سیدنا الشیخ قطب ربانی، غوث صمدانی، محی الدین عبدالقادر حسنی جیلانی کے بیان میں موجود ہے۔ فرمایا مشائخ کا اجتماع ہوا اور وہ لیلۃ الرغائب تھی آخر حکایت تک۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ دونوں شیخ و پیشوا یعنی شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبدالرزاق سے منقول ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ شیخ بقا بن بطو جمعہ کے دن صبح کے وقت رجب ۵۴۳ھ کی پانچویں تاریخ کو ہمارے والد ماجد حضور شیخ محی الدین عبدالقادر رحمہ اللہ کے مدرسہ میں آئے۔ ہم سے کہا کہ تم نے مجھ سے آج صبح سویرے آنے کا سبب نہ پوچھا۔ میں نے رات کو ایک نور دیکھا کہ اس سے دنیا روشن ہوگئی اور وہ دنیا کے اطراف میں پھیل گیا اور میں

نے ذوی الاسرار (اللہ تعالیٰ) کے اسرار دیکھے پس کچھ تو اس سے متصل تھے اور کچھ ایسے تھے کہ کوئی مانع اتصال سے روک رہا تھا اور جو سر اس سے متصل تھا' ان کا نور کئی گنا تھا۔ پھر میں نے اس نور کا سرچشمہ تلاش کیا تو ناگاہ وہ نور حضور غوث اعظم رحمہ اللہ سے صادر ہو رہا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس کی حقیقت دریافت کرنی چاہی تو وہ ان کے شہود کا نور تھا کہ ان کے قلب کے نور سے مقابل ہو رہا تھا' اور یہ دونوں نور باہم متصادم ہو رہے تھے' اور ان دونوں کی روشنی ان کے آئینہ جمال پر چمک رہی تھی اور وہ متصادم شعاعیں ان کے جمع ہونے کی جگہ سے متفرق ہونے کے وصف کی طرف مل رہی تھیں۔ پس اس سے ساری دنیا روشن ہو رہی تھی اور ہر وہ فرشتہ جو اس رات اترتا تھا' آپ کے پاس آتا' مصافحہ کرتا تھا۔ مشائخ عظام کے نزدیک اس کیفیت کا نام "شاہد" اور "مشہود" ہے۔ وہ دونوں فرماتے ہیں کہ پھر ہم ان کے قریب ہوئے اور ان سے پوچھا کیا آپ نے آج رات صلوٰۃ الرغائب پڑھی تھی؟ تو انہوں نے یہ شعر پڑھا: (ترجمہ) جب میری آنکھ اپنے محبوبوں کی صورتوں کو دیکھ لے تو میری نماز لیلتہ الرغائب میں یہی ہے۔ چہرے جب اپنا جمال تاباں کرتے ہیں تو ہر طرف سے تمام عالم منور ہو جاتا ہے اور جس نے محبت کو کماحقہ پورا نہ کیا تو وہ شخص ایسا ہے کہ اس نے کبھی واجب ادا نہیں کیا۔

اور "تنزیہہ الشریعہ فی الاحادیث الموضوعہ" میں حضرت انس بن مالک سے مرفوعاً یہ روایت مذکور ہے کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے' شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور کے ارشاد "رجب اللہ کا مہینہ ہے" کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ یہ مغفرت کے ساتھ مخصوص ہے۔ آخر حدیث تک۔ اور اس میں ہے کہ ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات سے غافل نہ رہو کیونکہ یہ ایسی رات ہے کہ فرشتے اسے رغائب کہتے ہیں۔ اور اس میں ہے کہ جو کوئی جمعرات کے دن ماہ رجب میں روزہ رکھے پھر مغرب و عشاء کے درمیان یعنی جمعہ کی رات کو بارہ رکعت پڑھے' اور یہ حدیث آخر تک نماز کی صفت میں چلی گئی ہے۔ پھر کہا کہ اس کی سند میں علی بن عبداللہ داخل ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ محدثین اسے بدنام اور جھوٹا کہتے ہیں' اور ہم نے آپ سے سنا وہ فرماتے تھے اس کے تمام راوی

مجہول ہیں۔ پھر میں نے تمام کتابوں میں ان کی تفتیش کی تو انہوں نے ان کو درج تک نہیں کیا بلکہ اتنا زیادہ کیا کہ شاید یہ لوگ ابھی پیدا ابھی نہیں ہوئے، حافظ عراقی امالی میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی نے تساہل (سستی) کی ہے کہ اس حدیث کو امالی ابن حصین کی چودھویں مجلس میں لائے ہیں اور یہ کہہ دیا کہ یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث مروی ہے کہ جس نے مغرب کی نماز کے بعد رجب کی پہلی رات میں بیس رکعتیں پڑھیں آخر حدیث تک۔ اس کے آخر میں ہے کہ وہ صراط پر بجلی کی مانند بغیر حساب و عذاب گزر جائے گا۔ اسے جوزقانی نے بیان کیا۔ اس میں بکثرت مجہول راوی ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے رجب میں ایک دن کا روزہ رکھا اور اس دن چار رکعت نماز پڑھی، یوں کہ پہلی رکعت میں سو مرتبہ آیتہ الکرسی اور دوسری رکعت میں سو مرتبہ قل ہو اللہ احد، وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنا مقام جنت میں نہ دیکھ لے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس میں بکثرت مجہول و متروک راوی ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے رجب کی ستائیسویں رات میں بارہ رکعت نماز پڑھی کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ ملائی پھر جب فارغ ہو جائے تو بیٹھ کر سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھے، پھر چار مرتبہ سبحان اللہ الخ پڑھے، پھر صبح کو روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساٹھ سال کے گناہ محو فرما دے گا۔ اور یہ وہ رات ہے جس میں اللہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اس حدیث کو ابن حجر نے ابن جوزی کی موضوعات میں داخل بتایا ہے حالانکہ وہاں موجود نہیں ہے شاید کہ بعض نسخوں میں ہو اور بعض میں نہ ہو۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث پہنچی کہ رجب میں ایک رات ہے کہ اس شب میں عمل کرنے والے کے لئے سو برس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور یہ رات رجب کی ستائیسویں رات ہے۔ لہٰذا جس نے بارہ رکعت نماز پڑھی کہ ہر رکعت میں فاتحہ الکتاب اور قرآن کی کوئی سورۃ پڑھی اور ہر دو رکعت میں تشہد پڑھتا رہے اور سب کے آخر میں سلام پھیرے۔ پھر سبحان

اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سو مرتبہ' اور استغفار سو مرتبہ' اور حضور علیہ السلام پر سو مرتبہ درود پڑھے اور اپنے دنیاوی امور کی دعا مانگے۔ پھر صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام دعائیں قبول فرمائے گا۔ بجز دعائے معصیت کے۔ اسے بیہقی نے نقل کیا اس میں دو راوی بدنام ہیں۔

معراج شریف

واضح ہو کہ ملک عرب کے لوگوں میں مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج شریف رجب کی ستائیسویں تاریخ کو ہوئی تھی' اور اسی تاریخ میں رجبی موسم ان لوگوں میں موسم حج کے قریب متعارف ہے اور دور دور کے شہروں اور دور دراز کے صحرا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کو آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے' اور صحیح قول یہ ہے کہ رمضان کی ۱۷یا ربیع الاول کی ۱۷ تاریخ کو مکہ مکرمہ میں بعثت کے بارہویں سال میں معراج شریف ہوئی۔ اس کے بعد اب واضح ہو کہ ہم نے حدیثوں کی کتابوں میں اس کا نہ تو ثبوت پایا نہ نفی۔ جو لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ رجب کی پندرہ تاریخ کی خصوصیت کے ساتھ تعظیم' روزہ اور نماز ہے اور یہ کہ اسے یوم الاستفتاح کہا جائے اور یہ کہ اسے مریم کا روزہ کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور وہ چیز جو ابتدائے اسلام میں رائج تھی' پھر جمہور کے قول کی بنا پر منسوخ کر دی گئی وہ عتیرہ ہے۔ عین مہملہ کے زبر اور تائے مثناۃ کے زیر سے بروزن کریمہ ہے۔ عتیرہ اس بکری کو کہتے ہیں جو ماہ رجب میں ذبح کی جاتی تھی۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ طیبی نے نقل کیا کہ ابن سیرین ماہ رجب میں عتیرہ (بکری) ذبح کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وجوب منسوخ ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور بخاری و مسلم نے بروایت حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا نہ فرع ہے اور نہ عتیرہ۔ راوی نے بیان کیا کہ فرع اونٹنی کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو پہلے پیدا ہوا ہو وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا

کرتے تھے اور عتیرہ رجب میں ذبح کرنے کو کہتے تھے۔

ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میدان عرفات میں تشریف لائے، میں نے آپ سے سنا کہ فرماتے تھے اے لوگو! ہر سال ہر گھر والے پر اضحیہ (قربانی) اور عتیرہ لازم ہے۔ تم جانتے ہو کہ عتیرہ کیا ہے؟ یہ وہی ہے جسے تم رجبیہ کہا کرتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اور ابوداؤد نے کہا کہ عتیرہ منسوخ ہے اور کبھی عتیرہ بہ معنی ذبیحہ جو کہ بتوں کے لئے ذبح کیا جاتا تھا، مستعمل ہے اس جگہ پر پہلے ہی معنی مراد ہیں۔
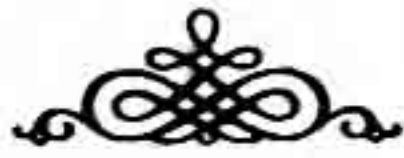
ماہِ شعبان

(عربی لغت کی کتاب) قاموس میں ہے کہ شعبان ایک مشہور مہینہ ہے، اس کی جمع شعبانات اور شعابین ہے۔ یہ تشعب بہ معنی تفرق بہ معنی اتشعب کے ہے اور حدیث میں ہے کہ شعبان اس لئے نام رکھا گیا کہ روزہ دار کے لئے اس میں خیر کثیر متفرع ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے، اسے رافعی نے اپنی تاریخ میں حضرت انس سے بیان کیا۔ اس مہینہ کے بارے میں بحث تین مقالات پر مشتمل ہے۔

پہلا مقالہ

اس مقالہ میں ماہ شعبان کی اور اس میں مطلقاً بغیر تخصیص پندرہویں رات کے روزہ رکھنے کی فضیلت میں جو روایتیں وارد ہیں، مذکور ہیں۔ یہ حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں۔ ماہ شعبان! رجب اور رمضان کے درمیان میں ہے لوگ اس سے غافل ہیں کہ اس ماہ میں بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ پس میں محبوب رکھتا ہوں کہ میرا عمل پیش نہ ہو مگر ایسی حالت میں کہ میں روزہ دار ہوں، اسے بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت اسامہ سے روایت کیا۔ شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے، اسے دیلمی نے "فردوس الاخیار" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ اور

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ماہ رجب آتا تو فرماتے اے خدا! رجب اور شعبان میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہمیں رمضان میں پہنچا۔ اسے ابن عساکر اور ابن نجار نے بیان کیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ رکھتے تو ہم خیال کرتے اب کبھی افطار نہیں کریں گے اور افطار کرتے تو ہم خیال کرتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بجز رمضان المبارک کے کسی مہینہ میں روزے کامل رکھتے نہ دیکھا اور نہ یہ دیکھا کہ آپ نے شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھے ہوں۔ اور ابو سلمہ کی ایک روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کے روزے کے بارے میں پوچھا فرمایا شعبان میں روزے رکھا کرتے تھے مگر کچھ کم۔ پہلی روایت کی بخاری، مسلم، موطا اور ابوداؤد نے اور دوسری کی مسلم، نسائی نے تخریج کی۔ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھتے ہوئے نہ دیکھا۔ آپ روزہ رکھتے مگر کچھ دن کم، گویا پورے مہینہ کے روزے رکھتے تھے۔ اور ابوداؤد کی ایک اور روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روزہ رکھنے کے لئے سب سے زیادہ محبوب مہینہ شعبان تھا پھر اس سے رمضان کو ملا دیتے تھے۔ اور نسائی نے بھی ترمذی کی روایت تخریج کی۔ ابوداؤد و نسائی میں بھی ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزے رکھے جاتے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے افطار نہ کریں گے، اور افطار کرتے تو ہم گمان کرتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے، اور پورے شعبان یا اکثر شعبان میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ دن کم شعبان کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ پورے شعبان کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے نہ رکھتے تھے۔ گویا کہ پورے شعبان ہی کے روزے رکھتے تھے اور فرمایا کرتے کہ طاقت کے مطابق عمل کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ

تعالیٰ نہیں تھکتا مگر تم تھک جاتے ہو' آخر حدیث تک۔
اور حضرت ابو ہریرہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ شعبان میں روزہ رکھا کرتے تھے مگر کچھ دن کم گویا پورے مہینے کے روزے رکھتے تھے۔ اور حضرت ام سلمہ سے مروی ہے' وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے پے در پے (متواتر) دو مہینے کے روزے رکھے ہوں۔ بجز شعبان اور رمضان کے۔ اسے ترمذی نے بیان کیا۔ اور ابو داؤد کے نزدیک یہ ہے کہ حضور نے سال میں کبھی پورے مہینہ کا روزہ نہ رکھا بجز شعبان کے پھر اس کے ساتھ رمضان ملا دیتے تھے۔ نسائی نے دونوں روایتوں کو بیان کیا۔ اور ان کی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ پے در پے دو مہینے روزے رکھے ہوں' بجز اس کے کہ آپ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے تھے۔ حضرت اسامہ سے مروی ہے' انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شعبان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ روزے رکھتے ہوں؟ فرمایا یہ وہ مہینہ ہے کہ لوگ اس سے غافل ہیں۔ یہ رجب اور رمضان کے درمیان کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں رب العالمین کے حضور اعمال پیش ہوتے ہیں۔ میں محبوب رکھتا ہوں کہ جب میرے عمل پیش ہوں تو میں روزہ دار ہوں۔ نسائی نے اس کی تخریج کی۔ اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں کتابوں میں مذکور ہیں' اس رسالہ میں جو حدیثیں ہیں وہ "جامع کبیر" کی ہیں۔ اور وہ حدیثیں جو شیخ امام عارف باللہ ابو الحسن بکری رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں یہ ہیں کہ شعبان' رجب اور رمضان کے مہینوں کے درمیان ہے۔ لوگ اس سے غافل ہیں' اس میں بندوں کے عمل اٹھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں محبوب رکھتا ہوں کہ میرے عمل اسی حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزہ دار ہوں۔ بیہقی نے "شعب الایمان" میں روایت کی۔ عطاء بن یسار سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ یہ اس لئے کہ اس میں سال بھر کے مرنے والوں کی مدتیں لکھی جاتی ہیں۔ حضرت اسامہ سے مروی ہے کہ شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ دیلمی نے "مسند

الفردوس" میں اسے بیان کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے کسی عورت نے ذکر کیا کہ وہ رجب کا روزہ رکھتی ہے۔ فرمایا اگر روزہ رکھنا ہی چاہتی ہو تو شعبان کے روزہ کو لازم کر لو۔ کیونکہ اس میں فضیلت ہے۔ ابن زنجویہ نے اس کو روایت کیا اور انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماہ شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ اس میں زندوں کی روحیں مردوں میں درج کی جاتی ہیں یہاں تک کہ کسی مرد نے نکاح کیا حالانکہ اس کا نام مردوں میں درج ہوتا ہے اور کسی نے حج کا ارادہ کیا مگر اس کا نام مردوں میں درج ہوتا ہے۔ (یعنی موت و حیات کی مدتیں سال بھر کے لئے معمور کی جاتی ہیں۔ مترجم) اور انہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعبان کے پورے مہینہ کا روزہ رکھتے تھے۔ میں نے حضور سے جب دریافت کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں اس سال کے تمام مرنے والوں کے نام لکھ دیتا ہے، پس میں محبوب رکھتا ہوں کہ میری مدت حیات اس وقت لکھی جائے کہ میں روزہ دار ہوں اور باتینی کے معنی "کتابۃ اجلی" ہے اور اس میں یہ ہے کہ مدت حیات کی کتابت جب ہو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے دوران میں ہو۔ لہٰذا جس کی اجل لکھی گئی اس کو پیش آتی ہے۔ امید ہے کہ اس کی موت بخیر ہو۔ اور بے شک (نفلی) عبادتوں میں سب سے بہتر روزہ ہے۔ ایسا ہی شیخ امام ابوالحسن بکری نے فرمایا۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پورے شعبان کا روزہ رکھتے اور اس کے ساتھ رمضان ملا دیتے تھے، اور بجز شعبان کے کسی مہینہ کے پورے روزے نہ رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! شعبان آپ کو کس وجہ سے سب مہینوں سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا اے عائشہ! سال بھر میں ہر مرنے والے کی مدت حیات اسی شعبان میں لکھی جاتی ہے۔ لہٰذا مجھے یہ محبوب ہے کہ میری مدت حیات جب لکھی جائے تو میں اپنے رب کی عبادت اور عمل صالح میں ہوں۔ اور انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں ملک الموت کے لئے مرنے والوں کے نام جنہیں ان کی قبضِ روح

کرنی ہے، لکھ دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا نام اس حال میں لکھا جائے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ یہ کتابت شعبان کی پندرہویں شب کو ہوتی ہے چونکہ رات کا وقت روزہ کا محل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے معنی یہ دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزہ کی برکت کو کتابت کے وقت رات میں لے آتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتابت تو دن میں ہو اور فرشتہ کو سپردگی رات میں ہوتی ہو؛ جیسا کہ ایک اور حدیث میں مروی ہے جسے ابن ابی الدنیا نے عطاء بن یسار سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب شعبان کی پندرہویں رات آتی ہے تو ملک الموت کو ایک صحیفہ دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جن کے نام اس صحیفہ میں ہیں ان کی روح قبض کرو۔ پس کوئی بندہ تو اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ ایک باغ لگاتا ہے، بیبیاں کرتا ہے اور محلات تعمیر کرتا ہے مگر اس کا نام مردوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔ دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک مدت حیات منقطع کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک مرد نکاح کرتا ہے اس سے اولاد ہوتی ہے لیکن اس کا نام مردوں کی فہرست میں شامل ہو چکا ہوتا ہے حضرت عثمان بن مغیرہ بن اخنس سے اس کی مثل ایک روایت اور مروی ہے۔

مقالہ دوم

دوسرا مقالہ ان حدیثوں کے بیان میں ہے جو خصوصیت کے ساتھ پندرہویں شعبان کی فضیلت میں مروی ہیں۔ حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فیھا یفرق کل امر حکیم (اس رات میں حکمت والے خدا کی طرف سے ہر کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں، پندرہویں شعبان کی رات کو پورے سال کا کام تمام ہو جاتا ہے اور زندے لکھے جاتے اور حاجی قلم بند ہوتے ہیں پھر اس سے نہ کوئی بڑھتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ اسے ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا۔ اور اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ یہ کتابت لیلۃ القدر میں ہوتی ہے اور ابتدائے

کتابت پندرہویں شعبان کی رات سے شروع ہوتی ہے۔ اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہ اپنے والد سے یا اپنے چچا سے اور وہ اپنے دادا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس رات ہر گنہگار کی بخشش ہو جاتی ہے سوائے مشرک کے یا اس کے جس کے دل میں کینہ ہو۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب پندرہویں شعبان کی رات آئے تو شب بیداری کر کے دن کا روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت سے آسمان دنیا کی طرف نزول کر کے فرماتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے بخشش مانگے، میں اسے بخش دوں، کوئی ہے جو روزی مانگے، میں اسے عنایت فرما دوں، کوئی مصیبت زدہ ہے جو مجھ سے عافیت مانگے، میں اسے عافیت دے دوں، کوئی ایسا ہے، کوئی ویسا ہے؟ حتیٰ کہ صبح صادق ہو جاتی ہے اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا۔

بندۂ ضعیف (شیخ محقق رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا کی طرف نزول فرمانا تو ہر رات کو ہوتا ہے مگر یہ نزولِ اجلال رات کے آخری تیسرے حصہ میں ہوتا ہے، مگر پندرہویں شعبان کی رات کا نزول شب کے تیسرے پہر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ غروبِ آفتاب لے کر صبحِ صادق تک ہے۔ یہ اس رات کی خصوصیت ہے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس رات میں عظیم عطیات عنایت فرماتا ہے جس کا ہمیں علم نہیں۔ اس کا ثبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ الا کذا الا کذا یعنی کوئی ایسا ہے، کوئی ایسا ہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو جائے اسی طرح علماء کا قول ہے۔

اور نوفل بکالی سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پندرہویں شعبان کی شب میں باہر تشریف لائے اور اس شب میں اکثر باہر آتے رہے۔ آپ آسمان دنیا کی طرف نظر اٹھاتے تھے اس وقت کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک شب کو ایسے ہی وقت باہر تشریف لائے تو انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا یہ وہ وقت ہے

جس میں جس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اس نے ضرور قبول فرمائی اور جس نے مغفرت چاہی اس کی ضرور بخشش ہوئی بشرطیکہ وہ شخص عشار، جادوگر، کاہن، منجم، جلاد، فال نکالنے والا، گویا اور باجہ بجانے والا نہ ہو۔ نوفل (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ کوبہ اور عرطبہ، طنبورہ کو کہتے ہیں۔ (حضرت علی نے دعا مانگی کہ) اے خدا! حضرت داؤد علیہ السلام کے رب! اس رات میں جو بھی دعا مانگے یا مغفرت چاہے تو قبول فرما لے! بلاشبہ تو پندرہویں شعبان میں ظہور فرماتا ہے، اور مشرک و کینہ توز کے سوا ہر ایک کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ اسے ابنِ ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کیا۔ کوئی رات لیلۃ القدر کے بعد پندرہویں شعبان کی شب سے زیادہ فضیلت والی نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور اپنے تمام بندوں کی بخشش فرما دیتا ہے بجز مشرک و کینہ توز یا قاطع رحم کے۔ اسے سعید بن منصور نے عطاء بن یسار سے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی شب میں ظہور فرماتا ہے، پھر اپنی تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے، بجز مشرک یا کینہ توز کے۔ اسے بیہقی نے معاذ بن جبل سے روایت کیا۔ پندرہویں شعبان کی شب میں ملک الموت کو بتا دیا جاتا ہے کہ جتنی بھی سال بھر میں انہیں جانیں قبض کرنی ہوتی ہیں۔ اسے دینوری نے اپنی کتاب "مجالسۃ" میں بیان کیا۔ راشد بن سعید سے مرسلاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر و برکت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ عید الاضحیٰ، عید الفطر، پندرہویں شعبان کی شب کہ اس میں مدت حیات اور رزق لکھا جاتا ہے اور اس میں حجاج لکھے جاتے ہیں اور لیلۃ العرفہ میں اذان فجر تک۔ میرے پاس جبریل حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ پندرہویں شعبان کی شب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی برابر اپنے بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک رات نہ پایا تو میں آپ کی جستجو میں نکلی تو آپ کو بقیع میں اس طرح پایا کہ آپ کا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا، اے عائشہ! کیا تمہیں اس کا خوف ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا؟ عرض کیا مجھے یہ تو خوف نہیں ہے مگر میں نے گمان کیا کہ شاید آپ کسی بی بی کے پاس

تشریف لے گئے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا اللہ عزوجل آسمان دنیا کی طرف پندرہویں شعبان کی شب کو نزول فرماتا ہے، پس قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے زیادہ اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ اور ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے جامع الاصول میں کہا کہ رزین نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ وہ لوگ جو مستحق جہنم ہیں، ان کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور اس کتاب میں اس حدیث کے سوا اس باب میں کوئی اور حدیث نہیں ہے۔ اور اس مضمون کی حدیثیں متعدد سندوں سے وارد ہیں۔ جب پندرہویں شعبان کی شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس تمام مسلمان مرد و عورت کو بخش دیتا ہے اور کفار کے حق میں تاخیر فرماتا اور کینہ توز کو ان کے کینہ کی وجہ سے چھوڑے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ کینہ سے باز آجائیں۔ اسے بیہقی اور ابن قانع نے روایت کیا۔

ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی شب میں مشرک کی طرف نظر نہیں فرماتا اور نہ کینہ توز، نہ قاطع رحم، نہ پائجامہ نیچا رکھنے والوں، نہ ماں باپ کو ستانے والوں اور نہ ہمیشہ شراب پینے والوں پر نظر فرماتا ہے۔ اسے بیہقی نے "شعب الایمان" میں بیان کیا اور اسے ضعیف بتایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے جب پندرہویں شعبان کی شب آتی ہے تو ندا کرنے والا پکارتا ہے، کوئی ہے جو گناہوں سے مغفرت چاہے، میں اسے معاف کر دوں، کوئی مانگنے والا ہے جو اسے عطا فرماؤں۔ پس کوئی سائل ایسا نہیں مگر اسے ضرور دیا جاتا ہے بجز زانیہ عورت یا مشرک کے۔ اسے بیہقی نے عثمان بن عاص سے روایت کیا۔ حضرت کعب سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل کو پندرہویں شعبان کی شب میں جنت کی طرف بھیجتا ہے کہ وہ یہ حکم پہنچا دیں کہ آراستہ ہو جائے اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمان کے ستاروں کی گنتی، دنیا کے دن و رات کی گنتی، درخت کے پتوں کی گنتی، پہاڑوں کے وزن اور ریت کے ذروں کی گنتی کے برابر بندوں کو آزاد کرے گا۔

عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ جب شعبان کی پہلی شب ہوتی ہے تو ملک الموت کے لئے صحیفہ لکھا جاتا ہے جس میں اس شخص کا نام ہوتا ہے جو اس سال میں آئندہ سال

تک مرنے والا ہوتا ہے' اور بے شک آدمی عورتوں سے نکاح کرتا ہے' اس کی اولاد ہوتی ہے اور مکان بناتا، باغ اگاتا، مظالم کرتا اور برائیاں کرتا ہے' حالانکہ اس کا نام زندوں میں نہیں ہوتا۔ اسے ابن زنجویہ نے روایت کیا۔

شرح الفاظ

قاموس میں ہے الشحنا والشحنہ شین کے زبر کے ساتھ بہ معنی عداوت ہے۔ شاحنہ بہ معنی بغض و کینہ رکھنے والا ہے اور مشاحن جو حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد وہ اہلِ بدعت ہیں جو جماعت اہلِ سنت سے خارج ہو چکے ہیں' انتھی۔ اور نہایہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک بندہ کو بخش دیتا ہے بجز مشرک اور مشاحن کے یعنی عداوت کرنے والے کے۔ اور شحناء کے معنی عداوت کے ہیں اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس جگہ مشاحن سے مراد وہ اہلِ بدعت ہیں جو جماعت اہلِ سنت سے الگ ہو چکے ہیں۔ اور طیبی نے فرمایا کہ الشحناء کے معنی عداوت' کینہ اور انتقام کی تاک میں رہنے والے کے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس سے وہ مراد ہو جو مسلمانوں میں نفس امارہ کی بناء پر بغیر کسی امر دینی کے باہمی رنجش ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ اپنے دل کو اس بغض سے بھر دیتا ہے۔ اور ناظر عین الغریبین میں ہے کہ شحنت السفینۃ یعنی میں نے کشتی کو بھر دیا۔ اور قاموس میں ہے کہ عشر اخذ واحدا من عشر یعنی دس میں سے ایک حصہ لے لیا اور ان کے مال کا دسواں حصہ لے لیا۔ العشرۃ دسواں حصہ لینے والا۔ اور نہایہ میں ہے کہ عشرت مالہ یعنی میں نے اس کے مال کا دسواں لے لیا پس میں عاشر ہوں' اور معشر اعشار جب بولا جاتا ہے کہ اس کا دسواں حصہ لے لیا جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ اگر تم عاشر کو پاؤ تو اسے قتل کر دو۔ یعنی اگر تم ایسے عاشر کو پاؤ جو زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر دسواں حصہ لیتا ہے تو اس کو اس کے کفر پر قائم رہنے کی بنا پر یا عشر کو حلال جاننے کی بناء پر قتل کر دو اگرچہ وہ مسلمان ہو۔ اور حکمِ الٰہی کہ ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ لینے کا حکم ہے' کے خلاف جان لیتا ہو' لیکن اس وقت قتل نہ کیا جائے جو

اللہ کے حکم کے موافق لیتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے لئے ایک جماعت نے عشر لیا تھا اور اس کا نام بھی عاشر ہی رکھا گیا تھا' کیونکہ وہ جو مال لیتا ہے اس کو عشر کی طرف نسبت ہے جیسے ربع عشر یا نصف عشر' کیونکہ اس میں سے وہ پورا عشر لیتا ہے جو آسمان سے سیراب ہوتی ہے اور یہ کہ وہ ذمیوں کے مال تجارت میں سے عشر لیتا ہے۔ انتھی۔

طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں الا لساحر او عشار (مگر جادوگر اور عشر لینے والے) کا جو استثناء ہے' یہ ان دونوں پر شدت غضب کے لئے ہے اس میں اشارہ ہے کہ گویا یہ دونوں اس کی رحمت سے مایوس ہیں۔ اور العریف اس کے معنی عراف کے ہیں اور اس کی جگہ منجم مراد ہے یا وہ شخص مراد ہے جو عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص عراف یا کاہن کے پاس آیا۔ (الحدیث)

اور طیبی فرماتے ہیں کہ عریف کہانت کی ایک قسم ہے جو اموال مسروقہ یا گم شدہ کے لئے کلام سے یا فعل و حال سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ اور کاہن وہ ہے جو آئندہ کی خبریں اٹکل پچو دیتا ہو۔ اور شرطہ شین کے پیش کے ساتھ یہ شرط بروزن صرد کا واحد ہے' یہ وہ گروہ ہے جو حکام کا مددگار ہوتا ہے' ان کو شرطی بروزن ترکی و جہنی بھی اس بناء پر کہتے ہیں' کیونکہ یہ شرطی اپنے آپ کو ایسی وردی سے پہچنواتے ہیں جو ان کے لئے خاص ہے۔ اسی طرح قاموس میں ہے۔ اور نہایہ میں ہے کہ حکام کے وہ منتخب لوگ ہوتے ہیں جو لشکروں میں سے اوروں پر تقدم رکھتے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگ شرط کہلاتے ہیں اور اس میں یائے نسبتی ہے۔ اسی طرح نہایہ میں ہے۔ اور کرمانی کہتے ہیں کہ صاحب الشرط شین کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ شرط کی جمع ہے۔ وہ لشکر کا اگلا حصہ ہے جو مقدمتہ الجیش یعنی حاکم کے سامنے نفاذ حکم کے لئے چلا کرتے ہیں' انتھی۔ اس جگہ ہر شرطی سے مراد ظالموں کے نائب ہیں اور وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے ظلم میں مددگار ہوں۔ الجابی' جبابہ (جیم کے زبر کے ساتھ) سے مشتق ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ محض گمان کی بناء پر مال نکال لینا' ایسا ہی علامہ نووی نے کہا ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ جبی الخراج بروزن رمیٰ و سعیٰ جبایتہ و جباوۃ سے ہے' انتھی۔

اب جابی سے مراد وہ شخص ہے جو بادشاہ کے پاس حرام مال لے کر آئے اور "الکوبہ" کاف کے پیش کے ساتھ بہ معنی نرد یا نقارہ یا بربط کے ہے۔ یہ تمام اقوال جزری نے نہایہ میں اس حدیث کی شرح میں ذکر کئے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) اور کوبہ کو حرام فرمایا اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ ہمیں کوبہ کو توڑنے کا حکم دیا۔

جامع الاصول کی شرح میں ہے کہ وہ بہت چھوٹا طبلہ ہے جو دو سر والا ہو۔ اور العرطبہ کے معنی عود یا طنبورہ یا طبلہ یا حبشی طبلہ کے ہیں۔ ایسا ہی قاموس میں ہے اور صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے یہ الفاظ کہ ہر گناہ گار بخشا جاتا ہے مگر صاحب عرطبہ اور کوبہ، پیش اور زبر کے ساتھ اس کے معنی عود ہے۔ اور ایک قول میں طنبورہ ہے اور المسبل اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو اپنا کپڑا لمبا بنائے اور زمین پر لٹکا تا ہوا از راہِ تکبر چلے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مشارق الانوار میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا ان میں سے ایک وہ ہے جو ازار (تہ بند یا پائجامہ) کو لٹکا کر چلے اس طرح پر کہ تکبر کے طریقہ پر کپڑوں کو گھسیٹتا چلے۔ عرب کا مقولہ ہے کہ اسبل ثوبہ وشعرہ یعنی کپڑے اور بال لٹکا دیئے یعنی ڈھیلا کر دے۔ انتھی۔

صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر کرم کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا (گناہوں سے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے تین بار پڑھا۔ حضرت ابوذر (راوی حدیث) نے عرض کیا وہ تو خائب و خاسر ہو گئے یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا کپڑا لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور مال تجارت کو جھوٹی قسموں سے رواج دینے والا۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں ازار لٹکانے والے کے معنی یہ ہیں کہ تکبر کے طریقہ پر اس کے پلوں کو ڈھیلا چھوڑ دے۔ ایک اور حدیث میں اس کی تفسیریوں وارد ہے۔ کہ اللہ

تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم نہیں فرمائے گا جو اپنا کپڑا تکبر سے کھینچے۔ الخیلا کے معنی تکبر کے ہیں اور کھینچنے پر خیلا کی قید مسبل کو خاص کرنے کے لئے ہے اور یہ مقید کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وعید صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو براہ تکبر کھینچتے ہیں۔ اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خصوص میں رخصت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم ان میں سے نہیں ہو اس لئے کہ ان کا تہبند گھسٹتا ہوا چلنا تکبر کے لئے نہ تھا۔ اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری وغیرہ فرماتے ہیں کہ صرف ازار کے اسبال کا ذکر اس لئے ہے کہ عموماً لوگوں کا لباس یہی تھا اور اس کے سوا قمیص وغیرہ کا حکم، سو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ کلام واضح اور منصوص پایا جاتا ہے کہ جو سالم بن عبداللہ بن عمر واپنے والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا ازار، قمیص اور عمامہ میں اسبال ہوتا ہے۔ جس نے ازراہ تکبر کوئی کپڑا بھی کھینچا اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کی طرف نظرِ کرم نہیں فرمائے گا۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے سند حسن سے روایت کیا انتھی کلام نووی۔

میں کہتا ہوں کہ اکثر حدیثوں میں مستند سندوں کے ساتھ وارد ہے کہ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں کہ کسی جگہ مطلقاً اسبال ہے اور کسی جگہ اسبالِ ازار مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ ازار کی قید کسی راوی نے اپنے فہم کے ساتھ لگا دی ہو کیونکہ بہ حسبِ رواج و شہرت اسبالِ ازار میں ہوتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

مقالہ سوم

تیسرا مقالہ پندرہویں شعبان کی رات کو شب بیداری اور دن کا روزہ رکھنے اور شب میں جو ورد و وظیفہ مروی ہے کے بیان میں ہے، حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب پندرہویں شعبان کی شب آئے تو شب بیداری کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھو، آخر

حدیث تک۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پندرہویں شعبان کی شب میری باری تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے جب نصف رات گزری تو میں نے حضور کو نہ پایا اور میرے دل میں وہ بات آئی جو عورتوں کو آیا کرتی تھی۔ پس میں نے چادر اوڑھی اور تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں جستجو کی مگر آپ کو نہ پایا پھر میں اپنے حجرہ میں آگئی، تب میں نے آپ کو اپنے حجرہ میں اس حال میں دیکھا کہ کپڑا پڑا ہوا ہے اور آپ سجدہ میں تھے اور دعا مانگ رہے تھے۔ اے خدا! میں نے اور میرے دل نے تجھے سجدہ کیا اور میرا دل تجھ پر ایمان لایا۔ پس یہ میرا ہاتھ ہے جس نے اپنے نفس پر جنایت کی۔ اے عظمت والے تو ہی ہر عظمت کی امید گاہ ہے، میرے بڑے گناہ بخش دے، میری پیشانی نے اس کو سجدہ کیا ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور صورت دی ہے اور کان اور آنکھ بنائی۔ اس کے بعد حضور نے اپنا سر مبارک اٹھایا پھر دوبارہ سجدہ کیا اور یہ دعا مانگی: اے خدا! تیرے غصہ سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے عقاب سے تیرے عفو و کرم کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں جیسے تو نے اپنی ثناء کی ہے ویسے ہی میں بھی کہتا ہوں، اور جیسا میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا ہے، پس میں اپنا چہرہ اپنے مولا کے واسطے مٹی پر رکھتا ہوں اور اسی کے لئے سزاوار ہے کہ اسے ہی سجدہ کیا جائے۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور کہا اے خدا! مجھے پرہیزگار دل عنایت فرما جو شرک سے منزہ ہو اور نہ وہ گناہ گار ہو اور نہ وہ بدبخت ہو۔ اس کے بعد آپ وہاں سے اٹھ کر میری چادر میں تشریف لے آئے درآنحالیکہ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا، اے حمیراء! تمہارا سانس کیوں پھولا ہوا ہے؟ پس میں نے سارا حال عرض کیا۔ پھر آپ نزدیک ہوئے اور میرے رکبہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا افسوس کہ یہ دونوں رکبے تھک گئے، یہ رات پندرہویں شعبان کی ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور اپنے بندوں کو بخش دیتا ہے، بجز مشرک اور کینہ توز کے۔ اسے بیہقی نے بیان کیا۔ شیخ امام عارف باللہ ابوالحسن بکری فرماتے ہیں کہ اس رات کی دعاؤں میں سب سے بہتر دعا یہ ہے کہ "اے خدا! تو درگزر کرنے والا ہے، تجھے عفو محبوب ہے، مجھے معاف فرما۔ اے خدا! میں تجھ

سے عفو و عافیت اور دین و دنیا میں دائمی معافی کا خواستگار ہوں۔ یہ دعا چونکہ لیلۃ القدر میں وارد ہے اور یہ رات لیلۃ القدر کے بعد تمام راتوں میں افضل ہے جیسا کہ مذکور ہوا، اور سب سے بہتر وہ دعا ہوتی ہے جسے ایک جماعت عمدہ سند کے ساتھ بیان کرے۔
چنانچہ ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے اور خانہ کعبہ کے سات پھیرے (طواف) کیے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں پھر دعا مانگی "اے خدا! تو ہی میرے ظاہر و باطن اسرار کو جانتا ہے، تو میری توبہ قبول فرما اور تو ہی میری حاجت کو جانتا ہے میرا سوال پورا کر اور تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے، میری لغزش سے درگزر کر میں تجھ سے ایسے ایمان کی استدعا کرتا ہوں جو میرے دل میں رہے، اور ایسے یقین صادق کا امیدوار ہوں جس سے مجھے یقین ہو جائے کہ مجھ کو وہی پہنچتا ہے جو تو نے میری تقدیر میں لکھا ہے، اور اپنی مرضی پر رضامند کر دے"۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ اے آدم! تم نے مجھے پکارا میں نے تمہاری دعا قبول فرمائی اب تمہاری اولاد میں جو بھی یہ دعا کرے گا میں اس کی یہ دعا ضرور قبول کروں گا اور اس کے گناہ معاف کر دوں گا اور اس کے غم و مصیبت کھول دوں گا اور ہر تاجر کو اس کی تجارت میں اتنا زیادہ دوں گا کہ دنیا ناک رگڑتی آئے گی اگرچہ وہ اس کی خواہش نہ رکھتا ہو۔

اور اس رات کی شب بیداری کے سلسلہ میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ چنانچہ تابعین میں سے خالد بن معدان اور مکحول و لقمان بن عامر اس کے قائل ہیں، اور اس باب میں عطاء اور ابن ابی ملیکہ وغیرہ نے اختلاف کیا ہے، اور اسی پر مالکی اور شافعی علماء کا مذہب ہے۔ خالد بن معدان اور لقمان بن عامر نے کہا اور اسحٰق بن راہویہ نے ان کی موافقت کی کہ مسجد میں جمع ہو کر شب بیداری کریں۔ اور خالد و لقمان اس رات عمدہ کپڑے پہنتے، سرمہ لگاتے اور مسجد میں رات بھر قیام کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص شب بیداری کرے تو ظاہریات ہے کہ یہ مستحب ہے، کیونکہ حدیثیں بیان کی جا چکی ہیں اور فضائل میں ایسی حدیثوں پر عمل جائز ہے اس کے اوزاعی قائل ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ کے عاملوں کو لکھا کہ تم چار راتوں کو سال بھر میں لازم کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان راتوں میں خوب خیر و برکت نازل فرماتا ہے۔ اول رجب کی پہلی رات ہے، دوم پندرہویں شعبان کی رات ہے، سوم عیدالفطر کی رات ہے، چہارم عیدالاضحیٰ کی رات ہے لیکن اس روایت کی صحت میں نظر ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ دعا پانچ راتوں میں ہوتی ہے، جمعہ کی رات، عیدین کی رات، رجب کی پہلی رات اور پندرہویں شعبان کی رات۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اس رات میں بیدار رہنے پر کوئی ظاہر قول نہیں ہے۔ حالانکہ عیدین کی رات میں جاگنے کے بارے میں دو قول مروی ہیں۔ انتھی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے تو اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ پندرہویں شعبان کی شب میں قبرستان تشریف لائے تاکہ آپ مومنین و مومنات اور شہداء کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، لباس مبارک اتارا، ابھی (پوری طرح) اتارا بھی نہ تھا کہ کھڑے ہو گئے پھر لباس پہن لیا۔ اس وقت مجھے بے حد رشک آیا، مجھے گمان ہوا کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے سوتے میں کسی اور زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلی میں نے حضور کو بقیع غرقد میں پایا اس حال میں کہ آپ مومنین و مومنات اور شہداء کے لئے مغفرت کی دعا کر رہے تھے۔ اس وقت میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ تو اللہ کے کام میں مشغول ہیں اور میں دنیا کے کام میں لگی ہوئی ہوں۔ پھر میں لوٹ آئی اور اپنے حجرہ میں چلی گئی ابھی میرا سانس پھول رہا تھا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ فرمایا یہ کیسا سانس پھول رہا ہے؟ اے عائشہ! عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ تشریف لائے کپڑے اتارے، ابھی اتار نہ چکے تھے کہ کھڑے ہو گئے اور دوبارہ کپڑے

پہن لئے۔ مجھے بڑا رشک آیا۔ شاید کہ آپ کسی اور زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ میں نے آپ کو بقیع میں دعا میں مشغول پایا۔ فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں اس کا خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے؟ نہیں بلکہ جبریل آئے اور کہا کہ یہ رات پندرھویں شعبان کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی کے برابر بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس رات میں کسی مشرک اور کینہ توز کی طرف نظر نہیں فرماتا اور نہ قاطع رحم پر اور نہ کپڑا لٹکانے والے پر اور نہ ماں باپ کو ایذا دینے والے پر۔ اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے پر۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے اتارے، پھر فرمایا اے عائشہ! کیا تم شب بیداری کی اجازت دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں! میرے ماں باپ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان۔ تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور طویل سجدہ کیا یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ وفات پا گئے، پھر میں کھڑی ہو کر ٹٹولنے لگی۔ پس اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تلووں سے لگایا تو وہ متحرک ہوئے اس وقت مجھے خوشی ہوئی، اور میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا مانگ رہے ہیں "میں تیرے عقاب سے تیرے عفو کی پناہ لیتا ہوں، اور تیرے غصہ سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں، اور تجھ سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ تیرا وجہ کریم جلالت والا ہے، تیری ثناء کی شمار نہیں ہو سکتی تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی ثنا کی ہے۔" جب صبح ہوئی تو میں نے ان دعاؤں کا ذکر کیا، فرمایا اے عائشہ! اسے یاد کر لو اور دوسروں کو سکھا دو کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ دعائیں مجھے سکھائی ہیں اور کہا ہے کہ میں اس کو سجدہ میں بار بار پڑھوں، اسے بیہقی نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور بہت طویل سجدہ کیا۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات پائی تو میں اٹھی اور آپ کے پائے اقدس کا انگوٹھا ہلایا تو وہ ہلا، پھر میں لوٹ آئی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھایا اور نماز تمام کی تو فرمایا اے عائشہ! اے حمیرا! کیا تم کو یہ گمان ہو گیا تھا کہ نبی نے تم

سے زیادتی کی ہے؟ عرض کیا نہیں خدا کی قسم! یا رسول اللہ لیکن آپ کے طویل سجدہ نے مجھے وفات کے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ فرمایا کیا تم جانتی ہو یہ کونسی رات ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا پندرہویں شعبان کی رات ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں پر ظہور فرماتا ہے تو توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا اور رحم چاہنے والوں پر رحم فرماتا ہے اور کینہ توزوں کو جیسے وہ تھے اسی پر رکھتا ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

اس سلسلہ میں وہ روایتیں ہیں جو نماز کے بارے میں ہیں۔ حضرت علی سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پندرہویں شعبان کی شب کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھے اور چودہ رکعتیں نماز پڑھیں پھر فارغ ہو کر جلوس فرمایا اور چودہ مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھی اور چودہ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھی اور چودہ مرتبہ قل اعوذ برب الفلق اور چودہ مرتبہ قل اعوذ برب الناس اور ایک مرتبہ آیۃ الکرسی اور لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز الایہ پڑھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہ سب کچھ پوچھا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا۔ فرمایا جو ایسا کرے گا جیسا تم نے دیکھا تو اسے بیس حج مبرور اور بیس سال کی مقبول شب بیداری کا اجر ملے گا پھر اس نے اگر صبح کو روزہ رکھا تو اس کے لئے دو برس گزشتہ اور دو برس آئندہ کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ اسے بیہقی نے "شعب الایمان" میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث موضوعات کے مشابہ ہے اور اس کے راوی مجہول ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث منکر ہے اور جوزقانی نے اباطیل میں شمار کیا اور ابن جوزی نے موضوعات میں لکھا اور کہا کہ یہ موضوع ہے اور اس کی سند تاریک ہے۔ اور "التنزیہ الشریعہ" میں موضوع احادیث میں نقل کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی جس نے پندرہویں شعبان کی شب میں سو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ گیارہ گیارہ بار قل ہو اللہ احد پڑھی، آخر حدیث تک۔ کاتبین کا حکم ہوگا میرے اس بندہ کے گناہ مت لکھو اور اس کے حسنات

آئندہ سال تک برابر لکھتے رہو، جو کوئی یہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے اس رات کے عابدوں میں حصہ مقرر کر دیتا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس میں راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔

ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے پندرہویں شعبان کی شب کو ہزار بار قل ہو اللہ احد سو رکعت میں پڑھی، تو دنیا سے اس وقت تک نہ جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس خواب میں سو فرشتے بھیجے گا جن میں تیس جنت کی بشارت دیں گے اور تیس جہنم سے روکیں گے اور تیس خطاؤں سے بچائیں گے اور دس اس کے دشمنوں کو جھٹلائیں گے۔ ابن جوزی نے کہا اس میں بکثرت مجہول اور بدنام راوی ہیں۔

ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پندرہویں شعبان کی شب میں اٹھے اور چودہ رکعتیں نماز کی پڑھیں، آخر حدیث تک۔ اس کی سند تاریک ہے اور بیہقی نے کہا یہ موضوعات کے مشابہ ہے۔

اور بدعت شنیعہ میں سے یہ ہے جو ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگوں نے رواج دے رکھا ہے کہ اپنے گھروں کی دیواروں پر چراغ[1] جلاتے ہیں اور فخر کے ساتھ آتش بازی وغیرہ چھوڑتے ہیں۔ اس کی کتب صحیحہ معتبرہ میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ غیر معتبر کتابوں میں بھی ذکر تک نہیں۔ اور نہ کوئی ضعیف اور نہ موضوع حدیث مروی ہے اور نہ ہندوستان کے شہروں کے علاوہ دیار عرب یا حرمین شریفین وغیرہ زادہما اللہ تعظیماً و تشریفاً میں یہ رائج ہے اور عرب کے علاوہ دیگر عجمی شہروں میں اس کا رواج ہے۔ بجز ہندوستان کے شہروں کے بلکہ ممکن ہے اور یہ گمان غالب ہے کہ اہلِ ہنود کی رسومات میں سے ہو جیسا کہ وہ دیوالی وغیرہ میں کرتے ہیں۔

---

[1] حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ کے اس ارشاد کو کوئی شخص تقریب عید میلاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء، مراسم جلسہ و جلوس، چراغاں و محافل قیاس نہ کرلے، اور یوں ہی تراویح کے ختم میں زیادہ روشنی تو خود حدیث فعل سرکار فاروق اعظم اور مسرت سیدنا حیدر رضی اللہ عنہما سے ظاہر ہے... ۱۲ رضوی۔

اس بدعت شنیعہ کا عام رواج دراصل ہندوستان میں زمانہ کفر کی باقیات میں سے ہے جو ہنود کے باہم میل جول سے اور کافر باندیوں اور بیبیوں کے ساتھ مسلمانوں کی مناکحت سے یہ جڑ پکڑ گئی۔ بعض متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ مخصوص راتوں میں بکثرت روشنی کرنا بدعت شنیعہ میں سے ہے، کیونکہ ضرورت سے زیادہ روشنی کرنے کے استحباب میں کوئی اثر شریعت میں کہیں منقول نہیں ہے۔ علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ روشنی کی ابتدا برامکہ سے ہوئی کیونکہ یہ لوگ آتش پرست تھے۔ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے اسلام میں وہ باتیں داخل کرلیں جو ان کے وہموں میں تھیں کہ یہ ہدایت کے راستے ہیں، لیکن ان کا مقصود آتش پرستی تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ان چراغوں کی پرستش کرتے، سجدہ کرتے تھے اور اسے مساجد کے جاہل اماموں نے صلوٰۃ الرغائب وغیرہ کے ساتھ عوام کو جمع کرنے، مال گھسیٹنے اور آگے بڑھنے کی حرص نے جال بنالیا، اور قصہ خوانوں نے اپنی مجلسوں میں اس کے تذکرے بھر دیئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان منکرات کے رد و ابطال کے لئے ائمہ ہدیٰ قائم کئے چنانچہ یہ منکرات ناپید ہوگئے۔ اور ۸۰۰ھ میں اس کا ابطال بلاد مصری و شامی سے اچھی طرح ہوگیا اور علامہ طرطوسی نے تو ختم کی رات میں منبر قائم کرنے اور عورتوں، مردوں کے اختلاط اور باہمی کھیل کود سے منع کیا ہے یہاں تک کہ اب جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے، یہ تذکرے میں ہے۔

(حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ کا یہ ارشاد اپنے زمانہ کے جہال کے طریقوں کی عکاسی کررہا ہے کیونکہ اس وقت تک آتش پرستی کسی نہ کسی رنگ میں چولہ بدلتی رہتی تھی۔ اور مسلمان باہمی رواداری سے مرعوب تھے لیکن بحمدہ تعالیٰ آج مسلمانوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ ایامِ مخصوصہ میں روشنی کی کثرت، معاذ اللہ اس سے مقصود آتش پرستی ہے بلکہ یہ بغرض زینت و زیبائش اور تحدیث نعمت کے لئے رائج ہے۔ جیسا کہ ایام مخصوصہ میں عام طور سے روشنی کی جاتی ہے اور بزرگانِ دین کے عرسوں میں چراغاں وغیرہ ہوتا ہے۔ البتہ کھیل کود، لہو و لعب وغیرہ کے لئے ہو اور نیت بخیر نہ ہو تو شرعاً ناروا ہوگا۔ جیسے آتش بازی وغیرہ کہ اس میں سراسر اضاعت مال ہے اور اس میں

نیت بخیر کا گزر ہو سکتا ہی نہیں۔ ایام متبرکہ میں نیت خیر کے ساتھ چراغاں کرنا جائز ہے چونکہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل اعمال بالنیات۔ ہر عمل کا دارومدار نیت پر موقوف ہے۔ مزید تفصیل کے لئے علماء اہلِ سُنّت و جماعت کی طرف رجوع کریں۔ مترجم غفرلہ)

ماہِ رمضان المبارک

رمضان مبارک کے مہینہ میں روزے اور قیام ہیں۔ قیام سے مراد تراویح ہے۔ اب یہاں ان کے احکام و مسائل وغیرہ بیان کریں گے۔

واضح رہے کہ تراویح میں علماء کا اختلاف ہے آیا اسے سنت کہیں؟ کچھ علماء نے کہا کہ نہیں، یہ نوافل ہیں اور اسے مستحب کہا اور بعض نے سنت قرار دیا۔ لیکن مذہب صحیح یہی ہے کہ مرد و عورت کے حق میں یہ سنت موکدہ ہے، جو سلف سے خلف میں چلی آرہی ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ کی روایت سے جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، یہ اختلاف جاتا رہتا ہے کہ یہ سنت ہے، اسے چھوڑنا نہ چاہیے۔ اور یہ ثابت ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ راتوں میں پڑھیں، پھر ترک فرمادیں۔ اور ترک پر یہ عذر فرمایا کہ کہیں یہ لازم (واجب یا فرض) نہ ہو جائیں، پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اس پر مداومت اور مواظبت فرمائی بالخصوص امیرالمومنین سیدنا عمرفاروق نے، جیسا کہ حدیثوں سے مروی ہے اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سنت اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت اپنے اُوپر لازم کرلو۔ فقہ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر شہر کے تمام لوگ تراویح کو ترک کردیں تو امام (سلطان و حاکم) اس ترک پر اُن سے قتال کرے۔ اور مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے غلام ذکوان کے پیچھے تراویح

پڑھا کرتی تھیں- اس باب میں جو بحث ہے، ان کو ہم چند فصلوں میں بیان کرتے ہیں-

فصل اوّل : تعداد رکعات تراویح

ہمارے نزدیک تراویح کی بیس (۲۰) رکعتیں ہیں جسے بیہقی نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے- اسی طرح حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں پڑھا کرتے تھے- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم رمضان مبارک میں بیس (۲۰) رکعتیں پڑھتے، پھر اس کے بعد تین رکعت وتر کی پڑھتے تھے، لیکن محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف (و مقبول و معتمد علیہ عند الاحناف) ہے، اور دوسری روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نے گیارہ رکعتیں پڑھیں ہیں، جیسے قیام اللیل میں آپ کی عادت تھی- اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بعض بزرگ گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم سے مشابہت ہو جائے- اور جو چیز صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والوں سے ثابت و مشہور ہو چکی ہے، وہ بیس (۲۰) رکعتیں ہیں اور تیئس (۲۳) رکعت تراویح کی جو روایت ہے، وہ وتر کو تراویح کے ساتھ شمار کر کے ہے-
حضرت امام مالک فرماتے ہیں اور ایک روایت امام شافعی رحمہما اللہ کی بھی ہے کہ تراویح کی چھتیس (۳۶) یا انتالیس (۳۹) رکعتیں ہیں، تو یہ خاص اہلِ مدینہ کا عمل ہے- اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ مکہ خانہ کعبہ کے سات پھیرے کرتے ہیں اور طواف کی دو دو رکعت ہر دو ترویحوں کے درمیان میں پڑھتے ہیں، چونکہ اہلِ مدینہ اس فضیلت کے حصول سے دور ہیں، اس لیے انہوں نے چار رکعتیں درمیان میں پڑھنی شروع کر دیں، اور اس کا نام انہوں نے "ستہ عشریہ" رکھ دیا، اور آج تک ان کی یہ عادت جاری ہے اور یہی روایت حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، مگر اسے ان سے

شہرت حاصل نہ ہوئی، لہٰذا اب اگر ان کے علاوہ بھی پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، اور اس میں امام وغیرہ سب برابر ہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ ان "ستہ عشریہ" کو علیحدہ علیحدہ پڑھیں کیونکہ جماعت کے ساتھ تراویح کے سوا نفل پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ ہے، لیکن اہلِ مدینہ انہیں جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک جماعت کے ساتھ نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ متاخرین علماء مصر میں سے شیخ قاسم حنفی فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نوافل پڑھنا اس لیے مکروہ ہیں کہ اگر وہ مستحب ہوتے تو افضل ہوتے جیسے کہ فرائض جماعت کے ساتھ افضل ہیں۔ اور اگر افضل ہوتے تو تہجد گزار اور قیام اللیل مجتمع ہو کر طلب فضیلت میں جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے، چونکہ یہ فضیلت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی نہیں، تو معلوم ہوا کہ اس میں کچھ فضیلت نہیں ہے۔

فصلِ دوم : استحبابِ ترویحہ

مستحب یہ ہے کہ ہر دو ترویحوں کے درمیان بقدر ایک ترویحہ کے جلوس کرے اور اس طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان جلوس کرے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مروی ہے۔ اس لیے کہ تراویح راحت سے ماخوذ ہے، لہٰذا ترویحہ کرنے میں اُس کے نام کا اثبات ہے۔ یہی سلف سے مروی ہے، اور حرمین شریفین کے اہلِ رائے اسی پر متفق ہیں، لیکن اہلِ مکہ درمیان میں سات (۷) طواف کرتے ہیں اور اہلِ مدینہ درمیان میں چار رکعت پڑھتے ہیں۔ اس طرح تمام بلاد اسلامیہ میں رائج ہے۔ اس کے بعد اس جلوس میں اختیار ہے کہ چاہے سبحان اللہ پڑھے یا لا الہ الا اللہ، نوافل پڑھے یا تلاوت قرآن کرے، یا خاموش بیٹھا رہے اور اگر ہر دو ترویحوں کے درمیان جلوس استراحت کو ترک کر دیا، تو بعض کے نزدیک تو کوئی حرج نہیں، اور بعض کے نزدیک غیر مستحب ہے، اس لیے کہ اس میں حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیما و تشریفاً والوں کے خلاف ہوتا ہے۔

اب بندۂ ضعیف (شیخ محقق) اللہ تعالیٰ اس کا حال اور ابتداء اور انجام درست کرے۔ کہتا ہے کہ دو ترویحوں کے درمیان اتنا انتظار کرنا جیسا کہ آج کل حافظوں کا دستور ہے کہ تراویح میں لمبی قرأت کرتے ہیں، نمازیوں پر بہت دشوار ہے، بلکہ ممکن ہے، ساری رات ہی بیت جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طویل قرأت غیر مستحب ہے، کیونکہ اُس عمل مستحب کا فوت ہونا لازم آتا ہے جو سلف سے بطور توارث چلا آتا ہے، اس لیے قرأت میں میانہ روی کی رعایت رکھنی چاہیے جس میں ترویحات باآسانی ادا ہو جائیں اور تراویح قرأت کا حکم عنقریب آتا ہے۔ اگر درمیانہ قرأت سے چار رکعت کی مقدار بھی استراحت کی، یعنی اتنی دیر نہ کی، جتنی دیر میں ترویحہ ادا ہوتا ہے، تو بھی انشاء اللہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی اُمید ہے۔

فصلِ سوم : در نیتِ تراویح

اگر تراویح کی یا سنت وقتی کی یا قیام اللیل کی رمضان مبارک میں نیت کی تو جائز ہے، اور اگر مطلقاً نماز کی نیت کی یا نفل کی نیت کی، تو اس میں مشائخ کا وہی اختلاف ہے جو سنن رواتب یعنی موکدہ کی ادائیگی میں ہے۔ بعض متقدمین علماء فرماتے ہیں کہ اصح قول یہی ہے کہ ایسی نیت کرنا جائز نہیں، کیونکہ تراویح سنت ہے اور سنت کی ادائیگی نفل کی نیت اور مطلق نماز کی نیت سے نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت حسن رحمہ اللہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے فجر کی دو رکعت کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہے، اس لیے کہ یہ نماز فرائض کی مانند مخصوص ہے تو اس صفت کی مراعات واجب ہے۔ پس مطلق نیت کے ساتھ ادا نہ ہوگی۔ اور اکثر متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ تراویح اور تمام سنتیں مطلق نیت سے ادا ہو جاتی ہیں، اس لیے کہ یہ درحقیقت نفل ہی ہیں، اور نوافل مطلق نیت سے ادا ہو جاتے ہیں، البتہ احتیاط یہی ہے کہ تراویح یا سنت وقتی یا قیام اللیل کی ماہ رمضان مین نیت کرے، اور تمام سنتوں میں سنتِ وقت کی نیت کرلے، یا اُس نماز کی نیت کرلے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت سے

ہے، تاکہ اختلاف سے بچ جائے، پھر کہا گیا ہے کہ تراویح کے ہر دوگانہ کے لیے جدا جدا نیت کرنی چاہیے، لیکن مذہب اصح یہی ہے کہ اس کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ سب کی سب بمنزلہ نماز واحد کے ہے۔

فصلِ چہارم : مقدار قرأت تراویح میں

علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اتنی قرأت ہونی چاہیے جتنی مغرب کی نماز میں ہوتی ہے، کیونکہ تراویح فرائض سے خوب ہلکی ہونی چاہیے۔ یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ اتنی مقدار سے رمضان میں ختمِ قرآن نہیں ہو سکتا۔ اور بعض نے کہا نماز عشاء کی برابر قرأت ہو کیونکہ یہ اپنے وقت میں عشاء کے تابع ہے۔ حضرت حسن بن زیاد رحمہ اللہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر رکعت میں کم و بیش دس آیتیں پڑھے، کیونکہ اس طرح ایک مرتبہ قرآن پاک ختم ہو جائے گا اس لیے کہ تراویح کی رکعات چھ سو (۶۰۰) ہوتی ہیں اور قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار ہیں، یوں ہر رکعت میں تقریباً دس (۱۰) آیتیں ہوتی ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ ہر رکعت میں بیس (۲۰) سے تیس (۳۰) آیتیں تک پڑھے کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین اماموں کو بلایا، ایک سے فرمایا کہ ہر رکعت میں تیس (۳۰) آیتیں پڑھا کرو۔ دوسرے سے کہا کہ پچیس (۲۵) آیتیں پڑھا کرو اور تیسرے سے کہا کہ بیس (۲۰) آیتیں پڑھا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان بربنائے فضیلت ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم بربنائے سنت ہے یہی ان کا مذہب ہے، اس لیے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک مرتبہ قرآنِ حکیم ختم کرنا سنت ہے اور دو مرتبہ فضیلت اور تین مرتبہ افضل ہے، چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کے قول کے موافق ایک مرتبہ ختم ہوتا ہے، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے بموجب دو مرتبہ یا تین مرتبہ ختم ہوتا ہے۔ یہی فقہاء کرام فرماتے ہیں، کچھ فقہاء نے ستائیسویں (۲۷) شب کو ختم کرنا مستحسن جانا ہے، بایں اُمید کہ لیلتہ القدر

کی فضیلت حاصل ہو جائے، اس لیے کہ اکثر حدیثوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی رات لیلتہ القدر کی ہے۔ اس لیے مشائخ بخارہ نے قرآن کریم کے پانچ سو چالیس رکوع قرار دیئے ہیں، اور قرآنِ کریم میں یہ نشانات لگا دیئے ہیں تاکہ ستائیسویں (۲۷) شب کو قرآنِ کریم کا ختم واقع ہو اور کچھ متقدمین مشائخ نے فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں تیس (۳۰) آیتیں پڑھی جائیں تاکہ ہر دسویں شب کو ایک ختم قرآن ہو جائے، کیونکہ مہینہ میں ہر عشرہ الگ الگ ہے۔ یقیناً یہ حدیث میں وارد ہے کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اول میں رحمت ہے، درمیان میں مغفرت اور آخر میں جہنم سے رستگاری۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں اکسٹھ (۶۱) قرآن ختم کیا کرتے تھے، تیس (۳۰) رات میں اور تیس (۳۰) دن میں اور ایک تراویح میں۔ اور مواہب لدنیہ میں اس کے مثل امام شافعی رحمہ اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔ اس کے بعد فقہاء فرماتے ہیں کہ تمام تسلیمات کے درمیان یعنی ہر دوگانہ میں تعدیل (میانہ روی) افضل ہے، جیسا کہ حضرت حسن بن زیاد، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک دوگانہ میں بالاتفاق یہ غیر مستحب ہے کہ دوسری رکعت میں قرأت طویل کردی جائے، جس طرح تمام نمازوں میں ہے کہ اگر پہلی رکعت میں قرأت دوسری رکعت سے طویل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ مذہب مختار کیا ہے؟ سو اس میں اختلاف واقع ہونا ضروری ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں رکعتوں میں قرأت برابر برابر ہو اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ پہلی رکعت کی قرأت دوسری رکعت کی قرأت سے طویل ہو جیسا کہ فرض نمازوں میں ہے۔

مسئلہ: جب تراویح میں غلطی واقع ہو جائے مثلاً کوئی سورۃ یا آیت چھوٹ جائے تو مستحب یہ ہے کہ چھوڑے ہوئے کو پڑھ کر دوبارہ پڑھے ہوئے کو پڑھے تاکہ ترتیب قائم رہے۔

مسئلہ: جب تراویح میں کوئی شفعہ فاسد ہو جائے اور اس میں قرآن کی جتنی تلاوت ہو چکی ہے، تو کیا پھر اس کو دوہرائے؟ اس میں ایک قول یہ ہے کہ اعادہ کی حاجت نہیں، اس لیے کہ مقصود تو قرأت تھی اور قرأت میں فساد لاحق نہیں ہوا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ قرأت کا بھی اعادہ کرے تاکہ ختم نماز صحیح میں واقع ہو۔

تراویح میں لقمہ دینے کا حکم

اس کا حکم دیگر نمازوں کی طرح مختلف فیہ ہے، لیکن فتویٰ یہی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور صحیح قول یہ ہے کہ تراویح میں لقمہ دینے میں تو اختلاف ہی نہیں کیونکہ یہاں ضرورت لاحق ہوتی ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ تراویح میں لوگوں کو سزاوار نہیں کہ وہ خوش گلو کو امام بنائیں، بلکہ صحیح پڑھنے والے کو آگے بڑھانا چاہیے (جو مخارج کے ساتھ درست خواں ہو) کیونکہ امام اگر خوش آوازی سے پڑھے گا تو خشوع و خضوع اور غور و فکر سے بے پروا ہو جائے گا۔ اسی طرح جب امام اعراب میں غلطی کرتا ہو، تو اُس مسجد کو چھوڑنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ایسا ہی کتب سنن الہدیٰ میں مرقوم ہے۔ اور اگر فقیہ شخص قاری ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ اپنی قرأت سے آپ پڑھے، اور دوسرے کی اقتداء نہ کرے۔ اور رکوع و سجود کی تسبیحات کو تین بار سے کم نہ کرے اور سبحانک اللھم آخر تک کو نہ چھوڑے، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کو بھی نہ ترک کرے، کیونکہ یہ سب کے سب مسنون ہیں۔ اگرچہ بعض کتب فقہ میں اس کا خلاف بھی مذکور ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ لیکن ادعیہ ماثورہ؟ سو اگر یہ معلوم ہو کہ قوم پر گراں نہیں گزرتی ہیں تو پڑھے ورنہ چھوڑ دے، اور جب آخری شفعہ میں ہو، اور اس نے پہلی رکعت میں معوذ تین پڑھ لیا، تو ایک قول یہ ہے کہ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کچھ آیتیں سورۂ بقرہ کی شروع کر دے، گویا یہ

بمنزلہ اس کے ہوگا کہ منزل پر پہنچتے ہی پھر سفر شروع کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس ہی کو دوبارہ پڑھے اور سورۃ بقرہ سے کچھ نہ پڑھے۔ اس قول میں نظم و ترتیب قرآن کی رعایت مقصود ہے۔

حرمین شریفین اور تمام عرب کے شہروں میں یہ مسنون طریقہ معمول بہ ہے کہ ختم قرآن کے وقت سورۃ والضحیٰ سے لے کر آخر تک تکبیر پڑھتے ہیں' اس میں مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے اور اگر اللہ اکبر پر اکتفاء کیا تو بھی صحیح ہے۔ اور اگر امام حافظ قرآن نہ ہو تو ایک قول کے بموجب افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ہر رکعت میں چھوٹی سورتوں میں سے ایک ایک سورۃ پڑھے' اور یہ طریقہ عمدہ ہے' تاکہ تعداد رکعات میں شبہ نہ واقع ہو' اور اس کا دل گنتی کے یاد رکھنے میں مشغول نہ ہو' تاکہ وہ غور و فکر میں ہی مشغول رہے۔ آج کل حرمین شریفین اور تمام عرب کے شہروں میں یہ رائج ہے کہ پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الفیل اور دوسری میں قل ھو اللہ احد۔ اور دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ لایلاف اور دوسری رکعت م قل ھو اللہ احد۔ اسی طرح آٹھویں شفعہ کی دونوں رکعتوں میں قل ھو اللہ احد' اور نویں شفعہ کی پہلی رکعت میں قل ھو اللہ احد' اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الفلق اور دسویں شفعہ کی پہلی رکعت میں قل ھو اللہ احد' اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھتے ہیں۔

فصل پنجم : تراویح باجماعت میں

پانچویں فصل جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنے کے بیان میں ہے۔ جو شخص تراویح کی جماعت کو ترک کر کے گھر میں پڑھتا ہے' اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ تارک سنت ہو گیا اور اُس نے بُرا کیا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے جتنی بھی تراویح پڑھی ہیں' جماعت

سے پڑھی ہیں، اسی طرح آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے، اور اسی پر تمام ممالک کے فقہاء کا اتفاق ہے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہ تارک فضیلت ہے، جس میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سلف سے یہی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا ترک فرما دیا تو قوم کو یونہی چھوڑ دیا، چنانچہ انہوں نے اپنے گھروں میں جس طرح چاہی پڑھی اور یہی صورت حال خلافت صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں رہی۔ اس کے بعد تراویح کے لیے جماعت مقرر کی گئی، اور یہ افضل ہے۔ شیخ قاسم حنفی فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا سنت کفایہ ہے، یہاں تک کہ اگر مسجد کے تمام لوگوں نے جماعت کو ترک کر دیا تو وہ سب سنت کے تارک ہو کر گنہگار ہوئے۔ اور اگر مسجد میں تو جماعت سے تراویح قائم ہو، مگر کسی شخص نے پیچھے رہ کر گھر میں نماز پڑھ لی تو وہ نہ تو فضیلت کا تارک ہے اور نہ وہ گنہگار ہے۔ اور اگر سب نے جماعت کے ساتھ گھر میں نماز پڑھی تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ ایک تو جماعت کی فضیلت ہے اور دوسری مسجد میں جماعت کی فضیلت ہے، لہٰذا انہوں نے دو فضیلتوں میں سے ایک فضیلت تو پالی اور دوسری سے محروم رہے اور یہی حال فرائض میں ہے۔ انتھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ تمام سنتیں جدا جدا پڑھی جائیں، اس لیے کہ یہ اخلاص سے قریب اور ریا (دکھاوے سے) زیادہ بعید ہے۔ اور صحیح حدیث میں مروی ہے کہ مرد کے لیے فرائض کے سوا تمام نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول غیر مختار ہے۔ اس لیے کہ یہ افضیلت تو اُن میں وارد ہے جن میں جماعت نہیں ہے، اور تراویح میں تو جماعت ثابت ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر مسنون قرأت وغیرہ کے ساتھ گھر میں ادا کرنا ممکن ہو، تو وہ گھر میں پڑھے، بجز اس کے کہ وہ بہت بڑا فقیہ ہو اور لوگ اس کی اقتداء کرتے ہوں اور اس کے سبب سے جماعت میں بہ کثرت آتے ہوں، تو اس کے لیے جماعت کا ترک کرنا لائق نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی شخص کو امامت کے لیے اُجرت پر مقرر کرنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ امامت کی اُجرت مقرر کرنا فاسد ہے۔

مسئلہ: اگر دو امام تراویح کی جماعت کریں اور ہر امام ایک ایک شفعہ (دوگانہ) پڑھائے تو صحیح یہ ہے کہ یہ غیر مستحب ہے اور مستحب یہ ہے کہ ہر امام ایک ایک ترویحہ (چار رکعت) پڑھائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ایک امام فرض پڑھائے اور دوسرا امام تراویح پڑھائے۔

مسئلہ: اگر ایک نے دو مسجدوں میں تراویح پڑھائی تو یہ اس کے بکمال پوری ہونے کے اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دونوں مسجد والوں کی نماز جائز ہے، جس طرح کہ ایک موذن ایک مسجد میں اذان دے، اقامت کہے اور نماز پڑھے، پھر دوسری مسجد میں جا کر اذان دے اور اُس کے ساتھ نماز پڑھے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ (بشرطیکہ نماز ظہر یا عشاء کے سوا ایسا نہ کرتا ہو۔۔۔ ۱۲ رضوی)

فصل ششم

جبکہ تراویح بلاعذر بیٹھ کر پڑھی، تو اس میں دو مقام پر بحث ہے، ایک جواز میں دوسرے استحباب میں، لیکن اس کے جواز میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ جائز نہیں ہے، اور بعض نے کہا، جائز ہے۔ یہی قول صحیح ہے، اور اس پر سب متفق ہیں کہ فجر کی دو رکعتیں (سنت کی) بغیر عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہیں۔ اس کی مثل حضرت حسن نے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہما سے منصوص روایت کی ہے۔ اب جو ناجائز کہتے ہیں، اُن کی دلیل یہ ہے کہ تراویح فجر کی دو رکعتوں کی مانند سنت ہے، اور جو جائز کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ نفل ہے، فجر کی سنتوں کی طرح خصوصیت کے ساتھ کوئی مزید تاکید نہیں ہے، لہٰذا تمام سنتوں اور نوافل کی طرح اس کا حکم ہوگا۔ اور دلیل میں ابو سلیمان کی وہ روایت لاتے ہیں جو حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ سے

مروی ہے کہ انہوں نے عذر اور بلاعذر میں کچھ فرق نہیں بتایا۔ لیکن استحباب میں بحث؟ تو صحیح یہ ہے کہ یہ مستحب نہیں ہے، کیونکہ اس میں سلف کے عملِ متواتر کا خلاف لازم آتا ہے اور جب کہ امام نے بیٹھ کر تراویح عذر کے ساتھ یا بغیر عذر کے پڑھائی اور قوم کھڑی رہی، تو اس میں بھی دو مقام پر یعنی جواز و استحباب میں کلام ہے۔ لیکن جواز میں بحث یہ ہے کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے، جس طرح فرض میں جائز نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ان سب کے نزدیک جائز ہے۔ یہی قول صحیح ہے، اس لیے کہ اگر قوم بھی بیٹھ کر پڑھتی تب بھی جائز تھا اور جبکہ انہوں نے کھڑے ہو کر پڑھی بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ لیکن استحباب میں بحث؟ تو امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ بجز عذر کے مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں۔ اس لیے کہ ان کے لیے اگرچہ قیام و قعود دونوں جائز ہیں، لیکن قیام یقیناً افضل ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ اختلاف معتبر ہے حتیٰ کہ وہ فرض میں بھی جائز نہیں رکھتے۔ ایسے ہی وہ نوافل میں بھی مستحب نہیں رکھتے۔

مسئلہ: مقتدی کے لیے مکروہ ہے کہ تراویح میں بیٹھا رہے، اور جب امام رکوع کرنے لگے تو کھڑا ہو جائے، اس لیے کہ اس سے نماز میں سستی کا اظہار اور منافقوں کی مشابہت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جب منافقین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو مرے دل سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب نیند غلبہ کرے تو نیند کی حالت میں نماز مکروہ ہے بلکہ وہ ہٹ جائے، یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، اس لیے کہ نیند کی حالت میں نماز پڑھنا، سستی اور غفلت لاتا ہے، اور غور و فکر جاتا رہتا ہے، یہی حکم گرمی کی وجہ سے کھلی جگہ میں نماز پڑھنے کا ہے۔ ایسا ہی خلاصہ میں مذکور ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محبوب! فرما دیجیے، جہنم کے آگ کی گرمی اس سے کہیں زیادہ ہے، اگر انہیں سمجھ ہوتی۔

فصل ہفتم : جماعت کے ساتھ وتر پڑھنا

افضل یہ ہے کہ صرف رمضان المبارک میں جماعت کے ساتھ وتر پڑھے۔ اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ جماعت افضل ہے، اور دوسروں نے کہا کہ اپنے گھر جاکر تنہا وتر پڑھنا افضل ہے۔ یہی قول مختار ہے اس لیے کہ صحابہ کرام وتر کی جماعت کے لیے مجتمع نہیں ہوتے تھے جس طرح تراویح کی جماعت کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ ایسا ہی کتاب "تبیین" اور ابن ہمام کی شرح ہدایہ اور عنایہ میں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تراویح کے بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھے، لیکن جو تہجد گزار ہوں، وہ وتر تہجد کے بعد پڑھیں۔ اور امام رمضان المبارک میں وتر کی تینوں رکعتوں میں جہر کرے اور منفرد کو اختیار ہے۔ اور دعائے قنوت میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آہستہ پڑھے، قرأت کی جہر سے پست۔ اور قنوت پڑھنے کی حالت میں ہاتھ چھوڑے رکھنے اور باندھنے میں اختلاف ہے۔ اور وتروں کے مقتدی کے لیے دعا کے پڑھنے میں اختلاف ہے۔ پس ایک قول تو یہ ہے کہ "بالکفار ملحق" تک مقتدی دعائے قنوت پڑھے اور اس کے بعد خاموش رہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ آمین آمین کہتا رہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اُسے اختیار ہے چاہے آمین کہے یا دعائے قنوت پڑھے۔ اور کتاب "تبیین" میں ہے کہ مقتدی دعائے قنوت پڑھنے والے کا اتباع کرے اور آہستہ پڑھے، اس لیے کہ یہ دعا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قنوت میں جہر کرے اور امام محمد رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ امام قنوت پڑھے اور مقتدی نہ پڑھیں، جس طرح وہ قرأت نہیں کرتا، لیکن صحیح پہلا ہی قول ہے۔

مسئلہ: جبکہ ایک ترویحہ یا دو ترویحے فوت ہو جائیں اور امام وتر کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام کے ساتھ وتر پڑھے۔ اس کے

بعد فائتہ کو پورا کرلے، اور قول یہ ہے کہ پہلے فائتہ کو ادا کرے۔

مسئلہ: اگر امام مقتدی کے قنوت کے فراغت سے پہلے رکوع میں چلا گیا تو مقتدی امام کی پیروی کرے اس لیے کہ قنوت تو نہ تو موقت ہے اور نہ مقدر۔

مسئلہ: مسبوق جب امام کے ساتھ وتر میں قنوت پڑھ چکا تو فائتہ رکعات کی قضاء میں قنوت نہ پڑھے۔

مسئلہ: جب نمازیوں کو یہ شک پیدا ہوا کہ نو دوگانے ہوئے ہیں یا دس، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ ایک دوگانہ احتیاطاً دوبارہ پڑھ لیں، اور بعض نے کہا کہ زیادہ نہ کریں اس لیے کہ تراویح میں محض شک سے زیادتی جائز نہیں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ وہ لوگ ایک ایک دوگانہ علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں تا کہ فعل سنت کی تکمیل میں احتیاط ہو جائے۔ اور تراویح کے علاوہ نوافل میں جماعت کے ساتھ ادائیگی سے احتراز کریں۔

مسئلہ: جب دو امام ایک ترویحہ پڑھائیں اور ہر امام ایک ایک دوگانہ پڑھائے تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے بموجب کوئی حرج نہیں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ غیر مستحب ہے، بلکہ ایک امام ایک ترویحہ پورا پڑھائے، اسی پر اہلِ حرمین وغیرہ کا عمل ہے۔ اس صورت میں امام کی تبدیلی بمنزلہ استراحت و انتظار کے ہو جائے گی۔

فصل ہشتم : وقت تراویح میں

تراویح کے وقت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب حنفیہ میں سے ایک جماعت جن میں شیخ اسماعیل زاہد بھی ہیں، فرماتے ہیں کہ صبح صادق تک پوری رات اس کا وقت ہے، خواہ نماز عشاء سے پہلے ہو یا بعد میں، اور قبل وتر ہو یا بعد وتر، کیونکہ یہ

قیام اللیل ہے'، اس کی شرط صرف رات ہونا ہے۔ اور بخارا کے عام مشائخ فرماتے ہیں کہ اس کا وقت نماز عشاء اور وتر کے درمیان ہے'، پس اگر کسی نے عشاء سے پہلے یا وتر کے بعد پڑھی تو اُس نے اس کے وقت میں ادا نہیں کی'، کیونکہ روایتیں اسی طرح کی ہیں'، اور تراویح میں پیروی روایتوں کی ہی بناء پر ہے۔ اور صحیح قول یہی ہے کہ عشاء کے بعد طلوع فجر تک اس کا وقت ہے'، حتیٰ کہ اگر وتر کے بعد بھی پڑھی تو جائز ہے'، اور اگر عشاء سے پہلے پڑھی تو جائز نہیں ہے'، اس لیے کہ عشاء کی سنتوں کے بعد زائد مسنون ہیں'، لہٰذا تراویح رمضان کے علاوہ عشاء کے بعد کے مسنون نوافل کے مشابہ ہو گئیں۔ اور وتر کے بعد نماز جائز ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہو سکتی ہے کہ رات کی نماز میں پچھلے پہر وتر ادا کرنا افضل ہے۔ سو یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے'، اور تراویح میں مستحب تاخیر تہائی یا نصف رات تک ہے۔ ایک قول کے بموجب نصف شب کے بعد اس کا ادا کرنا مکروہ ہے جس طرح عشاء میں اتنی تاخیر مکروہ ہے'، اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے'، کیونکہ یہ رات کی نماز ہے اور اس میں پچھلا پہرا افضل ہوتا ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ تراویح میں نصف رات کے بعد تک تاخیر کرنا مستحب ہے اور بعض فقہاء یہی فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ اور "خلاصہ" میں ہے کہ تراویح میں اکثر رات کو نماز اور انتظار اور استراحت سے گھیر دینا افضل ہے۔ اور اگر تراویح کو پچھلی رات تک موخر کردے'، تو صحیح قول یہی ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ: کیا جب تراویح فوت ہو جائیں تو اس کے وقت کے بعد جماعت کے ساتھ یا بغیر جماعت قضاء جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ قضاء نہ کرے۔ اب رہا بغیر جماعت کے ادا کرنا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اگلے دن دوسری تراویح کے وقت سے پہلے قضاء کرلے۔ اور بعض نے کہا کہ جب تک رمضان نہ گزرے'، قضاء کر سکتا ہے اور بعض نے کہا اس کی بالکل قضاء نہیں ہے'، اور یہی قول صحیح ہے'، کیونکہ تراویح میں مغرب اور عشاء کی سنتوں سے کچھ زیادہ تاکید نہیں ہے'، اور ہمارے اصحاب کے نزدیک ان سنتوں کی قضاء نہیں۔ یہی حال تراویح کا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ تراویح کی قضاء جماعت کے ساتھ تو بالاتفاق نہیں ہے' اور اگر تراویح کی قضاء ہوتی تو ویسی ہی قضا ہوتی جیسی فوت ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر تراویح کو الگ تنہا قضا کرے تو مستحب ہے جس طرح مغرب کی سنتوں کی قضا کا حال ہے اگر اس کی قضاء کرنا چاہے۔ اسی طرح شیخ قاسم حنفی نے کہا ہے۔ اور سنن الہدیٰ میں سراجیہ سے منقول ہے کہ اگر تراویح کو منفرد ہو کر قضا کرے تو احسن ہے۔ تراویح کے مسائل ختم ہوئے۔

ماہِ شوال المکرّم

یہ مبارک مہینہ حج کے مہینوں میں پہلا مہینہ ہے۔ اسے ماہِ فطر بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک دن عید اور گناہوں کی مغفرت کا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب عید کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ روزہ دار پر اپنے فرشتوں میں اظہار فخر و مباہات فرماتا ہے اور فرماتا ہے اے میرے فرشتو! اُس مزدور کی کیا اُجرت ہے جو اپنا کام پورا کرے؟ عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! اُس کی جزا یہ ہے کہ اُسے پوری مزدوری دی جائے۔ فرماتا ہے کہ میرے فرشتو! میرے ان بندوں اور بندیوں کی کیا جزا ہے جو میرے عائد کردہ فرض کو پورا کریں؟ پھر وہ بہ آواز بلند دعا کرتے نکلے ہیں۔ مجھے اپنے عزت و جلال اور اپنے کرم و علو مرتبت اور رفعت مقام کی قسم ہے! میں ضرور ان کی دعا قبول فرماؤں گا، پھر فرماتا ہے، جاؤ میں نے تمہارے تمام گناہ معاف فرمائے اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ حضرت انس کہتے ہیں، پس وہ بخشے ہوئے واپس گھر لوٹیں گے۔ اسے بیہقی نے "شعب الایمان" میں بیان کیا۔ عیدالفطر کے دن یہ مسنون ہے کہ عید گاہ روانہ ہونے سے پہلے کچھ کھا پی لے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طاق کھجوریں ملاحظہ فرماتے تھے۔ اسی طرح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ اور حاکم نے عتبہ بن حمید سے روایت کی کہ حضور نے تین یا پانچ یا سات یا کم و زیادہ کھجوریں ملاحظہ فرمائیں۔ فقہاء و محدثین فرماتے ہیں کہ

حکمت یہ ہے کہ کھجوریں کھانا اس لیے مستحب ہے کہ اس میں شیرینی ہے، اور شیرینی اُس بینائی کو قوت دیتی ہے، جو روزہ سے ضعیف ہو جائے۔ نیز شیرینی دل کو نرم کرتی اور ایمانی مزاج کے موافق ہے، اسی لیے مروی ہے کہ مسلمان آدمی میری شیرینی ہے، اور اگر کوئی شخص خواب میں شرینی کھاتا دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اُسے ایمان کی لذت نصیب ہوگی۔ اس وجہ سے شیرینی سے افطار افضل ہے جیسے شہد اور کھجور، باوجود اس کے کھجوروں میں اور بھی خصوصیتیں ہیں، بالخصوص مدینہ منورہ کی کھجوریں، چنانچہ اپنی جگہ ان کا بیان مذکور ہے۔ تین کھائے یا پانچ یا سات۔ اس کے بعد عید گاہ کی طرف چلے۔

صیام شش عید

یہ بصحت ثابت ہے کہ اس ماہ میں چھ دن کے روزے مسنون ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے رمضان مبارک کے روزے رکھے پھر اس کے بعد چھ شوال کے روزے رکھے، تو گویا اس نے زمانہ بھر روزے رکھے۔ اور یہ جب ہے کہ تمام عمر روزے رکھتا رہے، اور اگر ایک ہی مہینہ میں رکھے، تو ایک سال کے روزوں کی مانند ہے۔ اور اسی مضمون کی ثوبان کی حدیث بھی ابنِ ماجہ میں مروی ہے۔ اور ابنِ ماجہ کی روایت میں ثم اتبعہ کی جگہ فاتبعہ فا کے ساتھ ہے۔ اس سے تعقیب حقیقی مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں عید کے دن کا بھی روزہ رکھنا لازم آتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اول ماہ میں اور اس کے بعد روزے رکھے۔ امام شافعی کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اول مہینہ میں پے در پے رکھے۔ اور ہمارے نزدیک عام ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک ہے۔ بلکہ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ ہماری تعمیم کراہت اور نصاریٰ کی مشابہت سے دور ہے۔

فقہاء نے حکم دیا ہے کہ عیدین کے دن غسل کرنا مسنون ہے۔ ان کے اثبات کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان کو جمعہ پر قیاس کرتے ہیں، کیونکہ اس میں بھی اجتماع ہے۔ اس باب میں فاکہ بن سعید کی حدیث بھی مروی ہے اور اُنہیں صحبت بھی حاصل ہے، اور

اس حدیث کے سوا ان سے کوئی اور حدیث بھی مشہور نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور عرفہ کے دن غسل فرماتے تھے، یہ سنن ابنِ ماجہ اور طبرانی کی معجم اور مسند بزار میں مروی ہے، ایسا ہی شمنی کا قول ہے۔ شیخ ابنِ ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ایسا ہی نووی وغیرہ نے کہا، اور شرح کتاب الخرقی میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مذکور ہے کہ فاکہ بن سعید اپنے اہل کو ان دنوں میں غسل کرنے کا حکم دیتے تھے، اور کہا کہ اسے عبداللہ بن احمد نے اپنی مسند میں اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور علامہ سیوطی جمع الجوامع میں شعبی سے اور وہ زیاد بن عیاض اشعری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے قوم سے کہا کہ میں نے تم سے سارے کام وہی دیکھے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دیکھے ہیں، بجز اس کے کہ تم عیدین میں غسل نہیں کرتے ہو، اسے ابنِ مندہ اور ابنِ عساکر نے روایت کیا، اور کہا کہ عیاض سے روایت صحیح ہے، اور زیاد کا قول غیر محفوظ ہے۔ اور بعض محدثین نے اس حدیث کے ضعف کا بھی حکم دیا ہے۔ اس باب میں صحاح ستہ کی کوئی اور حدیث نہیں ہے سوائے اُس اثر کے جو ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ عیدالفطر کے دن عید گاہ جانے سے قبل غسل کرتے تھے۔ فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمر کا متابعت سنت میں شدت سے مبالغہ اس امر کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ اور عید گاہ میں جاتے ہوئے راہ میں جہر سے تکبیر کہنا تینوں ائمہ اور ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہے، لیکن امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عیدالاضحیٰ میں سنت ہے نہ کہ عیدالفطر میں۔ یہ اختلاف جہر میں ہے لیکن آہستہ تکبیر کہنا مستحسن ہے اور اللہ کا ذکر کرنا تمام اوقات میں مستحب ہے۔ اور "خلاصہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف اصل تکبیر میں ہے، اور ایک روایت امام اعظم رحمہ اللہ سے جہر کی بھی مروی ہے۔ ایسا ہی ابنِ ہمام کی شرح میں مذکور ہے۔ اور ائمہ اُس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو دار قطنی نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے ہوئے تکبیر کہا کرتے تھے۔ اور شمنی نے کہا کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کلام ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ

حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے۔ اور شیخ ابنِ ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موسیٰ بن محمد بن عطاء جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں کی جانب سے ضعیف ہے۔ نیز یہ حدیث جہر پر دلالت بھی نہیں کرتی اور صحابی کا قول آیۂ کریمہ "دون الجھر من القول" سے معارض نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو تکبیر کہتے ہوئے سنا، تو آپ نے اپنے اُونٹ لے جانے والے سے پوچھا، کیا امام نے تکبیر کہی؟ اُس نے کہا، نہیں۔ فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کا ساتھ پایا ہے، لیکن ہم میں سے کسی نے بھی امام سے پہلے تکبیر نہ کہی۔ اور ابو جعفر فرماتے ہیں کہ عوام کو تکبیر سے منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عوام کو نیکیوں سے پہلے ہی رغبت کم ہے۔ انتھی۔

اور یہ بھی مسنون ہے کہ عید کے دن جس راستہ سے عید گاہ گیا ہے، اس کے سوا دوسرے راستہ سے لوٹے۔ بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم عید کے دن راستہ بدل دیا کرتے تھے۔ اور ترمذی و دارمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم عید کے دن جب کسی ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تو دوسرے راستہ سے واپس تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس عمل کے بہت سے نکات و اسرار بیان کئے ہیں جنہیں ہم نے شرح "سفر السعادت" میں بیان کیا ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ راہ کی تبدیلی امام کے لیے خاص ہے یا تمام لوگوں کے لیے ہے، لیکن اس سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ نماز عید سے پہلے اور بعد میں جو نوافل ہیں، اُن کا حکم بتا دیا جائے۔ چنانچہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم عید کے دن تشریف لے گئے تو صرف دو رکعت نماز پڑھی، اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی اور نفل نہ پڑھے۔ آخر حدیث تک۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں ابو عمرو عبداللہ بن عمر اور ابو سعید سے مروی ہے کہ حضور کے صحابہ میں سے بعض اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے۔ اور اہلِ علم

تابعین کا بھی یہی عمل ہے لیکن علماء کی ایک جماعت نے نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل کو جائز رکھا ہے لیکن پہلا قول زیادہ درست ہے۔ انتھی

صاحب کتاب خرقی نے کہا جو حنبلی مذہب کے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو مسعود انصاری کو لوگوں پر اپنا قائم مقام فرمایا۔ پس وہ عید کے دن گئے اور کہا اے لوگو! امام سے پہلے کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور ابنِ سیرین سے مروی ہے کہ حضرت ابنِ مسعود اور حذیفہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو منع کیا کہ عید کے دن امام کے عید گاہ پہنچنے سے پہلے کوئی نماز پڑھے۔ اسے سعید نے روایت کیا۔ اور زہری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کسی عالم سے نہیں سنا کہ یہ بیان کرتا ہو کہ اس اُمت کے اسلاف میں سے کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد کو کوئی نماز نفل پڑھی ہو۔ اسے اثرم نے بیان کیا۔

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ ممانعت عید گاہ سے مخصوص ہے یا عید گاہ اور گھر دونوں کو شامل ہے؟ چنانچہ بعض نے کہا کہ عید گاہ کے سوا کسی اور جگہ نفل پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ جب کاشانہ اقدس میں واپس تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے۔ اسے ابنِ ماجہ اور احمد نے روایت کیا۔ اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عید گاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھنے چاہئیں، پس کراہت عید گاہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور شرح میں ہے کہ اگر چاشت کی نماز عید گاہ جانے سے پہلے پڑھ لے تو مکروہ نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ عید گاہ اور اس کے سوا کہیں مکروہ نہیں ہے۔ اور شرح میں یہ بھی ہے کہ یہ عدم کراہت امام اور قوم سب کے لیے عام ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام کے لیے مکروہ ہے، قوم کے لیے نہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس نفی سے یہ مراد ہے کہ وہ نماز مسنون نہیں ہے، یہ مراد نہیں کہ نماز ہی مکروہ ہے۔ اور صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ عید کی نماز سے پہلے اور بعد کی ممانعت میں احتمال ہے۔ اس سے یا تو نفل پڑھنے کی ممانعت ہے، یا سنن رواتب کے پڑھنے کی ممانعت ہے۔ نفل کی ممانعت کی صورت میں یا تو یہ مراد ہو کہ وقت ہی میں

کراہت ہو یا اس سے عام، اور ہر تقدیر پر یہ ممانعت امام کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا امام و مقتدی سب کے لیے۔ یا یہ ممانعت عید گاہ سے مخصوص ہے یا عید گاہ اور گھر سب کو شامل ہے۔ سلف نے ان تمام تقدیروں پر اختلاف کیا ہے۔ علماء کوفہ فرماتے ہیں بعد کو ممانعت ہے، پہلے نہیں ہے یہی مذہب اوزاعی ثوری اور حنفیوں کا ہے۔ اور علماء بصرہ فرماتے ہیں کہ ممانعت پہلے ہے، بعد کو نہیں ہے۔ یہ مذہب حسن بصری اور ایک جماعت کا ہے۔ اہلِ مدینہ فرماتے ہیں کہ نہ پہلے ممانعت ہے نہ بعد میں۔ یہ مذہب زہری، ابنِ جریج اور امام احمد کا ہے۔

بعض مالکی علماء نے یہ اجماع نقل کیا ہے کہ امام عید گاہ میں نفل نہ پڑھے۔ اور جو جواز کے قائل ہیں، اُن کی دلیل یہ ہے کہ ہر وقت مطلق نماز کا ہے، وقت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور جو ممانعت کے قائل ہیں اُن کی حجت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت میں (نماز عید کے سوا) کوئی نماز نہ پڑھی۔ جس نے حضور کی پیروی کی اُس نے ہدایت پائی۔ حاصل بحث یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے یا بعد کوئی سنت ثابت نہیں ہے، مگر بعض وہ جو جمعہ پر قیاس کرتے ہیں۔ اب رہا مطلق نفل پڑھنا تو یہ کسی خاص دلیل سے اس کی ممانعت ثابت نہیں، بجز اوقات مکروہ کے۔ انتھی۔

اب واضح ہو کہ فقہاء نے نماز عید فوت ہو جانے کے بعد میں اختلاف کیا ہے، امام اعظم رحمہ اللہ کے ظاہر مذہب کے نزدیک نماز عید کی کوئی قضا نہیں ہے، اس لیے یہ نماز انہی خصوصیات کے ساتھ ثابت ہے۔ اور ہدایہ کے شروح میں ہے کہ اگر چاہے تو دو رکعت یا چار رکعت نماز چاشت کی طرح پڑھے۔ جس طرح اور دنوں میں پڑھتا ہے۔ محیط اور فتاویٰ قاضی خان سے یہ منقول ہے کہ جو شخص عید گاہ پہنچے اور امام کے ساتھ نماز نہ پائے تو اُسے اختیار ہے چاہے اپنے گھر چلا جائے اور چاہے نماز پڑھے پھر چلا جائے۔ اور افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے، اس کے لیے یہ نماز چاشت ہو گی، جیسا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں جس سے نماز عید فوت ہو جائے تو وہ چار رکعت پڑھے۔ ایسا ہی فتح الباری میں ہے اور ان رکعات

میں پہلی میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں والشمس وضحها اور تیسری میں واللیل اذا یغشی اور چوتھی میں والضحی پڑھے۔ اور حضرت ابن مسعود نے ان چار رکعتوں کے ثواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نیک وعدہ اور بڑا اجر روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام احمد کے مذہب میں ہے، انہوں نے حضرت ابن مسعود کا یہی اثر استدلال میں بیان کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تقویت یہ روایت کرتی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے ایک شخص کو فرمایا کہ وہ قوم کے کمزوروں کو چار رکعت بغیر تکبیر اور خطبہ کے پڑھائے۔ اور بخاری نے ترجمہ باب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت انس نے اپنی اہل و اولاد کو موضع زاویہ میں جو بصرہ سے دو کوس کے فاصلہ پر ہے، جمع کیا اور عید کی نماز گردو نواح کے لوگوں کے ساتھ پڑھی، اور وہ لوگ دو رکعتیں عید کی نماز کی طرح امام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور کرمانی نے کہا کہ امام کے ساتھ نماز عید فوت ہو جائے تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دو رکعتیں پڑھ لے، اور امام احمد فرماتے ہیں کہ چار رکعت پڑھ لے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اختیار ہے کہ چاہے پڑھے یا نہ پڑھے، اور اگر پڑھے تو بھی اختیار ہے کہ دو رکعت پڑھے یا چار رکعت۔ واللہ تعالی اعلم۔

ماہِ ذی الحجہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں کوئی دن ان دس دنوں سے زیادہ محبوب نہیں ہے جس میں نیکیاں کی جائیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! فی سبیل اللہ جہاد بھی نہیں؟ فرمایا، ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، پھر عرض کیا، کیا فی سبیل اللہ جہاد بھی نہیں؟ فرمایا، فی سبیل اللہ جہاد بھی نہیں۔ مگر وہ شخص کہ اپنی جان و مال لے کر نکلا پھر اس سے کچھ نہ لے کر واپس آیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ صحیح ابو عوانہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ذی الحجہ کے عشرہ سے افضل کوئی دن نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے سال میں افضل دنوں میں روزہ رکھنے کی منت مانی تو وہ ان دنوں کی طرف رجوع کرے، اور اگر تمام دنوں میں افضل دن کے روزہ کی منت مانی تو یوم عرفہ کا روزہ رکھے۔ اور اگر ہفتہ میں افضل دن کے روزہ کی منت مانی تو جمعہ کا رکھے۔ اور مختار یہ ہے کہ اس عشرہ کے دن اس لئے افضل ہیں کہ ان میں یوم عرفہ آتا ہے۔ اور رمضان کے عشرہ کی راتیں اس لئے افضل ہیں کہ ان میں لیلتہ القدر ہے۔ اور قول فیصل یہی ہے کہ ذی الحجہ کے عشرہ کا روزہ اور اس کی فضیلت و استحباب میں حدیثیں مروی ہیں۔ اس عشرہ سے نو دن مراد ہیں۔ ابو داؤد اور نسائی نے بعض ازواج نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم سے روایت کی کہ ذی الحجہ

کے نو دن اور یوم عاشورہ اور ہر مہینہ کے تین دن اور اس میں پہلی پیر کا دن اور پہلی جمعرات کا دن۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور اس عشرہ میں اور ہر مہینہ کے تین دن میں روزے رکھا کرتے تھے۔ اور وہ جو مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس عشرہ میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا یہ روایت اس کی منافی نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ نے یہی تو خبر دی کہ میں نے نہیں دیکھا ممکن ہے کہ حضور کے روزہ کی انہیں خبر نہ ہوئی ہو اور یہ کہ کوئی امر مانع ہو۔ مثلاً مرض سفر وغیرہ۔ اور وہ جو اس عشرہ میں مطلق عمل صالح کی فضیلت میں وارد ہے۔ یہ بھی تو روزہ کو شامل ہے۔

اور کچھ ایسی سنتیں ہیں جن کو لوگوں نے ترک کر رکھا ہے، وہ یہ کہ جو قربانی کا ارادہ کرے خواہ وہ فرض ہو یا نفل تو اس کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ اپنے بال اور ناخن ترشوائے جب تک کہ وہ قربانی نہ کر لے۔ مسلم نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ عشرہ آئے اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ کرے تو اپنے چہرہ اور بدن کے بالوں کو نہ چھوئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نہ بال لے اور نہ ناخن ترشوائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا اور وہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہے تو اپنے بالوں کو نہ لے اور نہ ناخن کتروائے۔ اور جامع الاصول میں مسلم کی حدیث سے حضرت عمر بن مسلم بن عمار لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم یوم الاضحیٰ کے قریب حمام میں گئے پھر کچھ لوگوں نے نورہ لگایا تب حمام والوں میں سے کسی نے کہا اس سے تو منع کرتے ہیں، پھر میں سعید بن مسیب کے پاس گیا میں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا اے بھتیجے! اس حدیث کو لوگ بھول گئے ہیں اور عمل ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ مجھ سے ام سلمہ زوجۂ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا، آخر حدیث تک۔

اب یوم عرفہ کی فضیلت تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ افضل ہے یا جمعہ کا دن افضل ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ پورے سال میں عرفہ افضل ہے اور ہفتہ میں جمعہ افضل

ہے۔ اس کی تمام دلیلیں "سفر السعادۃ" میں باب جمعہ میں مذکور ہیں۔

یومِ عرفہ کا روزہ

جمہور اس پر ہیں کہ یہ سنت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وقوف عرفات والوں کے سوا کے لئے سنت ہے۔ حضرت ام الفضل بنت الحارث سے مروی ہے کہ ان کے پاس عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روزہ رکھنے کے بارے میں لوگوں نے جھگڑا کیا۔ کسی نے کہا کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ سے ہیں اور کسی نے کہا روزہ سے نہیں ہیں۔ تب میں نے ایک پیالہ دودھ کا بھیجا۔ حضور اونٹنی پر سوار عرفات میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پی لیا۔ (متفق علیہ) اسی کی مثل حضرت میمونہ سے بھی یہی ایک حدیث مروی ہے۔ امام ترمذی اس باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ اور ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ حج کیا آپ نے عرفہ کے دن روزہ نہ رکھا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، انہوں نے بھی روزہ نہ رکھا۔ اور حضرت عمر بھی تھے، انہوں نے بھی روزہ نہ رکھا اور نہ میں نے روزہ رکھا اور نہ ہمیں اس کا حکم دیا اور نہ ممانعت فرمائی۔ اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ عرفات میں روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ آدمی میں دعا کرنے کی قوت باقی رہے۔ اور بعض علماء نے عرفہ کے دن عرفات میں روزہ رکھا۔ انتہی۔ بلاشبہ یہ وارد ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ مذہب مختار یہی ہے کہ عرفہ کا روزہ مستحب ہے مگر ان حاجیوں کے لئے نہیں، جو دعا کرنے کی قوت اور اس میں کوشش کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مناسب ہے کہ کچھ وہ احکام بھی بتا دیئے جائیں جو عرفات میں ٹھہرنے سے متعلق ہیں۔ جیسے لوگ ملکوں میں کرتے ہیں، تو معلوم ہونا چاہئے کہ علماء احناف نے بیان کیا ہے کہ تعریف یعنی عرفہ کے روز کسی جگہ لوگوں کا جمع ہونا، تاکہ عرفات میں ٹھہرنے والوں

سے مشابہت پیدا کریں' بے اصل ہے۔ اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ سے اصول روایت کے سوا مروی ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے' اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ میں ایسا کیا تھا۔ ایسا ہی تبیین میں مذکور ہے اور جامع صغیر برہانی میں ہے کہ علماء کا یہ قول کہ "تعریف" جسے لوگ کرتے ہیں' کچھ نہیں ہے۔ اس سے مشروع ہونے کی نفی مراد نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو دعا تسبیح اور جناب باری میں تضرع و زاری کے لئے ہے۔ البتہ اس کے واجب گردانئے اور سنت مراد لینے کی نفی ہے۔ جیسا کہ نجم الدین بلخی کی کتاب میں ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ وہ "تعریف" جسے لوگ کرتے ہیں' یہ کچھ نہیں ہے۔ دراصل "تعریف" تو یہ ہے کہ تمام صلحاء و عرفاء بروز عرفہ شہر میں جمع ہو کر تکبیر و تہلیل پڑھیں جس طرح حجاج عرفات میں پڑھتے ہیں' یہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی یہ سنت میں سے نہیں ہے۔ لیکن یہ فعل فی نفسہٖ ایک عمدہ دینی نیکی اور بھلائی میں سبقت کرنے کی بات ہے۔ یہ کافی میں مذکور ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اس لئے کہ عبادت گزار بندوں کی مشابہت ہے۔ لہٰذا انہیں ضرور اجر ملے گا۔ اسی طرح "سنن الہدیٰ" میں منقول ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ذکر و تسبیح و تہلیل اور دعا میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ سب چیزیں ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مشروع ہیں۔ البتہ احرام کے لباس' تلبیہ اور تمام ان آداب میں جو حجاج وقوفِ عرفہ کے وقت کرتے ہیں' اس میں کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ باتیں وہیں کے ساتھ خاص ہیں۔ واللہ تعالی اعلم بحقیقۃ المرام' لیکن اس کے علاوہ اور عبادتیں' دعائیں' احکام وغیرہ فقہ کی کتابوں اور مناسک کے رسالوں میں مذکور ہیں' وہیں سے تلاش کرنا چاہئے۔ اور یہ ہمارے اس مقصود کا آخری کلام ہے جسے ہم اس رسالہ میں لائے ہیں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سید المرسلین وامام المتقین محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ ھداۃ طریق الحق ومحی علوم الدین آمین' آمین' آمین۔

الحمدللہ والمنۃ کہ کتاب مستطاب ماثبت من السنہ فی ایام السنہ مصنفہ راس المحدثین شیخ المحققین حضرت مولانا شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا اردو

ترجمہ مورخہ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۶۰ء سے شروع ہو کر آج ۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۶۰ء بروز چہار شنبہ اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبولیت کے ساتھ کفارۂ سیئات فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین۔

فقیر غلام معین الدین نعیمی غفرلہ